ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا بنیادی ستون ہے۔ یہی وہ بنیادی ہدف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو نبوت کے آثار مٹ جائیں گے، دیانت و پرہیزگاری ماند پڑ جائے گی، ضلالت و گمراہی عام ہو جائے گی، اخلاق اقدار کا خاتمہ ہو جائے گا اور لوگ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے تباہ ہو جائیں گے جس کا احساس و شعور انہیں قیامت کے دن ہی ہو سکے گا

(ابو حامد الغزالی)

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ نمبر ۱۲	شوال ۱۴۲۳ھ دسمبر ۲۰۰۲ء	جلد نمبر ۱۹

معاون مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی مدنی	ابوالمکارم ازہری فلاحی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے

☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے

☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے: ۸۰ روپے

☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے

☆ اس شمارہ کی قیمت: ۹ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح
بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone:05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اس کے تقاضے — انیس احمد فلاحی — ۳

○ روشنی کی جانب سفر

کرنل ڈونالڈ ایس راکول کا قبول اسلام — محمد سہیل فلاحی — ۵

○ بحث ونظر

دعوت دین ایک جائزہ — مقبول احمد فلاحی — ۷

عرب اسرائیل کشمکش: تیاری محرکات — عبدالرحمن زریاب فلاحی — ۲۱

(۲)

○ تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف — ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان — ۲۷

(۴)

○ اصولی مباحث

فن تخریج اور اسکے قواعد — ڈاکٹر محمود الطحان — ۳۲

(۳)

○ شبہات حول السنۃ

فتنۂ انکار حدیث — انیس احمد فلاحی — ۳۹

(آخری قسط)

○ مذاہب عالم

توریت کا تعارف — ابوارقم فلاحی — ۴۳

(۲)

○ جامعہ کے لیل ونہار

نئے تعلیمی سال کا آغاز — ادارہ — ۴۷

نئے داخلے

تعزیتی نشست

اظہار تعزیت

اعلان عام — ساجدہ فلاحی — ۴۸

اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اسکے تقاضے

انیس احمد مدنی

ماہ شوال کی آمد، دینی مدارس و معاہد کے لئے ایک نئے تعلیمی سال کی آمد ہوتی ہے۔ نئے تعلیمی سال کی یہ آمد اساتذہ کرام اور مدرسین کو انکی اس ذمہ داری کو یاد دلاتی ہے جس کا انہیں اللہ رب العزت نے حامل وامین بنایا ہے۔

فریضہ تعلیم و تدریس درحقیقت انبیاء کرام کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے جس کی ذمہ داری انبیاء کرام کے بعد اب علماء کے سر پر ہے اس ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ہر مدرس دین کے لئے تین امور کا پاس ولحاظ ناگزیر ہے۔

1: اعلیٰ ترین سیرت و کردار:

اساتذہ کرام سیرت و کردار کے اعتبار سے جتنے مضبوط ہوں گے طلبہ پر اس کا اتنا ہی اچھا اثر پڑے گا۔ کیونکہ طلبہ ہر معاملہ میں اپنے اساتذہ ہی کی اقتداء کرتے ہیں۔ اور یہ چیز انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ انکی اکثریت اصلاً عملی دلائل ہی کی زبان سمجھتی ہے عقلی دلائل تک ان کی رسائی بہت کم ہو پاتی ہے۔ نیز اگر مدرس دین بے عمل ہو تو اس کی اس بے عملی کے اثرات صرف، اس کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ لوگ اس کی اس بے عملی کو دین اسلام پر طعن وتشنیع کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیتے ہیں کہ اسلام جب اپنے ہی متبعین کی اصلاح سے عاجز ہے تو غیروں کی اصلاح کیا کرے گا۔ اس لئے ہر وہ شخص جو دین کی تدریس پر مامور ہو اسکے سیرت و کردار میں دینی شعائر و تعلیمات اور تہذیب و تمدن کا پرتو پایا جانا از حد ضروری ہے تاکہ لوگوں کو انکی بدعملی کے ذریعہ دین پر تنقید کا موقع نہ مل سکے۔

ولو انّ اهل العلم صانوه صانهم　　ولو عظموه في النفوس لعظما

ولكن أهانوه فهان و دنّسوا　　محياه بالاطماع حتى تجهما

اگر اہل علم، علم کی حفاظت کریں تو علم بھی ان کا محافظ ہوتا ہے اور اگر انہیں اس کی عظمت کا

پاس ولحاظ ہو تو وہ بھی انہیں عظمتوں کی خلعت عطا کرتا ہے۔

لیکن علماء نے اس کی تذلیل کر کے اس کو رسوا کر دیا اور حرص و آز کی آلائشوں سے اس کا چہرہ آلودہ کر دیا۔

۲: دین کی گہری بصیرت : مدرسِ دین کا اسلام کے مکمل نظام حیات کے وقیق علم کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں رائج افکار و نظریات اور مذاہب و ادیان سے واقف ہونا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے طلبہ کے سامنے اسلام اور دیگر نظریات کا موازنہ کر کے اسلام کی حقانیت وصداقت کو دلائل کی روشنی میں ثابت کر سکے۔

اسلام کا عمیق علم اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ استاذ کو قرآن وسنت کے نصوص ازبر ہوں تاکہ ہر مسئلہ میں اس کی گفتگو مدلل اور کتاب وسنت کے حوالہ جات سے پر ہو، کیونکہ اسلامی احکامات وتعلیمات پر آیات واحادیث کے حوالہ سے خالی گفتگو غیر مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی نگاہ میں استاذ کی اہمیت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔

۳: تدریس کے اصول و مبادی سے واقفیت :

اعلیٰ اور بہترین تعلیم کا دارومدار بہترین سیرت وکردار اور عمیق علم کے ساتھ ساتھ اساتذہ کرام کے تدریسی اصولوں سے واقفیت پر ہی منحصر ہے۔ اس لئے ہر مدرس کو یہ بات اپنے ذہن و دماغ میں مستحضر رکھنی چاہئے کہ تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ نہایت شفقت وتوجہ کے ساتھ ہر استعداد کے طلبہ کے لئے اس کی مشکلات کی وضاحت کی جائے، اس کے مقدرات کھولے جائیں اور اس کے مضمرات بیان کئے جائیں اور اس توضیح وبیان کے بعد بھی اگر طلبہ کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو ان سوالوں کے جواب دیے جائیں مزید برآں طلبہ کی ذہنی تربیت کے لئے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور انکے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ طلبہ کے اندر فکر وتدبر کی صلاحیت اور کتاب الٰہی پر غور کرنے کی استعداد پوری طرح بیدار ہو جائے۔ یہ ساری باتیں تعلیم کے ضروری اجزاء میں سے ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر تعلیم وتدریس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اساتذہ کرام کو بحسن وخوبی انکی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

روشنی کی جانب سفر

کرنل ڈونالڈ ایس راکول

Colonel Donald S. Rockwell

(شاعر نقاد اور مصنف)

مترجم: محمد سہیل
ایم اے انگلش

اسلام کی سادگی اور سچائی، مساجد سے بلند ہونے والی مؤذن کی اذان اور اس کا متاثر کن ماحول، اسلام پر عمل کرنے والوں کی دیانتداری وایمانداری اور وہ پختہ یقین واعتقاد جو پوری دنیا میں کروڑوں مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے اور مسلمانوں کا پابندی کے ساتھ پانچ وقت مسجد میں عبادت کے لئے جانا، یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے مجھ کو اسلام کی طرف سب سے پہلے مائل کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان ہونے کے میرے فیصلے کے پیچھے دوسرے اور کئی اسباب ہیں جیسے اسلام کا نظریہ حیات اور حضرت محمد ﷺ کی علم اور عمل سے بھرپور زندگی۔ ان کی حکمت سے بھرپور باتیں واحکام، زکوٰۃ وصدقات، رحم اور صلح جوئی، انسانیت کی فلاح و بہبود اور عورتوں کے حقوق وغیرہ کے تعلق سے ان کی واضح ہدایات یا دوسرے اسباب جو سرزمین مکہ سے تعلق رکھنے والے اس شخص کے اندر پائی جاتی تھیں۔ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام ایک سچا اور عملی مذہب ہے اور نبی ﷺ اللہ کے رسول وفرستادہ ہیں، انہوں نے ہم کو ایک سیدھا وسچا نظام زندگی عطا کیا جس میں کسی ان دیکھی ہستی پر اندھا یقین واعتقاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا اعتقاد وعقیدہ عطا کیا جسکے مطابق ہم انسانوں کو ان تمام چیزوں کا بدلہ ایک دن مل کر رہے گا۔ جو آج ہم دنیا میں کر رہے ہیں اور اگر ہم کوئی کام ٹھیک ٹھیک اور اپنی صلاحیت کے مطابق کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی معیت ہمارے ساتھ ہوگی۔

اسلام کی دوسرے مذہب کے تئیں بردباری اور تحمل مزاجی دنیا میں تمام آزادی پسند لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو دنیا کے بھی مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام

سب خدائے واحد کے رسول اور فرستادے ہیں اور نبی ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان تینوں پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ورنہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کے تعلق سے بہت زیادہ فراخدلی اور کشادگی سے بھرا ہوا ہے۔

بت پرستی سے مکمل طور پر اعلان برأت ایک مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔ اللہ کے رسول کی تعلیمات و ہدایات آج کی بدلتی ہوئی دنیا میں ویسی ہی ہیں جیسی چودہ سو سال قبل تھیں۔ قرآن آج اسی حالت میں ہے جیسا یہ محمد ﷺ کے زمانے میں تھا۔ تمام چیزوں کے تعلق سے اعتدال پسندی اور ضبط نفس، یہ اسلام کی بنیادی خوبی ہے۔ جس نے مجھ کو اپنی طرف راغب کیا۔ جب میں استنبول، دمشق، یروشلم، قاہرہ، الجزائر، تنزانیہ اور دوسرے شہروں کی مساجد میں کھڑا ہوتا تھا تو مجھ کو اس شدید ردعمل کا بھرپور احساس ہوتا جو اس دنیا اور دوسری چیزوں کے تعلق سے اسلام کا سیدھا اور سچا پیغام پیش کرتے ہیں۔ مسجد وہ جگہ ہے جہاں پر ایک انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر مکمل طور سے ایک خدا کی یاد میں محو ہو جاتا ہے۔

اسلام میں جو جمہوریت کا نظریہ ہے اس نے ہمیشہ میرے اندر کشش پیدا کی۔ شاہ و گدا سبھی جب خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہیں، رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں برابر ہوتے ہیں۔ امیری اور غریبی کا وہاں پر فرق نہیں ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ اور ایک فقیر کی کوئی خاص جگہ نہیں ہوتی ہے، یہ وہ ماحول ہے جو دنیا کے ہر شخص کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

ایک مسلمان خدا اور اپنے بیچ کسی دوسرے کو ثالث نہیں مانتا ہے۔ وہ اس ان دیکھی ہستی کے براہ راست ربط میں آجاتا ہے۔ جب اس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہوتا ہے تو اپنے گناہوں کی اس سے مغفرت کا خواستگار ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا ہے۔

اسلام میں بھائی چارگی کا عالمگیر اصول، رنگ و نسل، ملک و مذہب، اونچ نیچ کے خلاف اس کا نظریۂ حیات، یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مجھ کو بنیادی طور پر مذہب اسلام کا جانب مائل کیا۔

بحث و نظر

دعوت دین ایک جائزہ

مقبول احمد فلاحی

امت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ حتی المقدور غیر مسلمین کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔ جو لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں انہیں اسلام اور تعلیمات اسلام سے متعارف کرانے کی ضرورت، اہمیت اور فرضیت پر ہر دور میں کافی کچھ لکھا اور کہا جاتا رہا ہے، سچ بات یہ ہے کہ نصوص دینیہ کی روشنی میں اس کار عظیم سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

اللہ کے احکام کی تطبیق اور ترجیحات کے تعین میں رایوں میں معمولی اختلاف ضرور پایا جاتا رہا ہے، دور حاضر میں بھی بعض جگہوں پر بعض افراد اور گروہوں کی جانب سے غیر معقول منطقی مباحث کے ذریعہ اس فریضہ کی اہمیت کو کم کیا جا رہا ہے۔

لیکن اللہ کا شکر ہے دنیا بھر کی اسلامی تحریکات نے شرعی اور عقلی استدلال سے نہ صرف امت کے سامنے اس مسئلہ کی اہمیت کو واضح کیا بلکہ عملی طور پر دنیا کے ہر خطے میں اس میدان میں نمایاں کردار بھی ادا کر رہی ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے سرزمین ہند میں کار دعوت کو بہت میرا ہن کر کے پیش کیا اور اپنے کارکنان کے ذریعہ مختلف النوع تدابیر اختیار کر کے گرانقدر کام بھی انجام دیا ہے، یہ اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ آج ہندوستان کے تمام اصحاب علم افراد اور قابل ذکر مسلم تنظیمیں اور ادارے نہ صرف اس رخ سے سوچنے لگے ہیں بلکہ آگے بڑھ کر اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے تگ و دو بھی کرتے نظر آ رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تحریک اسلامی جس نے مسلمانان ہند کی توجہ اس اہم فریضہ کی جانب مبذول کرائی ہے، آگے بڑھ کر اس کام کے جملہ مراحل میں رہنمایانہ اور قائدانہ رول ادا کرنا

چاہیے، اسے کارِ دعوت کے نشیب و فراز کا تجزیہ کرنا چاہیے، اس مہم کی ضروریات کا جائزہ لینا چاہیے، مختلف جہات سے ہونے والے کاموں کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے، اور وسیع تر بنیادوں پر ایسا لائحۂ عمل وضع کرنا چاہیے کہ جو افراد و ادارے یا تنظیمیں اس فریضہ کی ادائیگی پر متوجہ ہوئی ہیں ان کے لیے واضح نقشۂ کار سامنے آسکے اور ہندوستانی پس منظر میں جس حکمت اور بصیرت کی ضرورت ہے اسے پورا کرتے ہوئے درست نتائج تک پہنچ سکیں۔ اس مقام میں کارِ دعوت کے تحت سرگرمیوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ کوتاہیوں سے اجتناب کرتے ہوئے صحیح سمت میں مناسب پیش رفت جاری رکھی جاسکے۔

اس وقت ہندوستان میں چار جہات سے برادرانِ وطن میں دعوتی کام انجام دیا جا رہا ہے

۱۔ **اجتماعی جد و جہد** جیسا کہ عرض کیا گیا، یوں تو امتِ مسلمہ کا ہر طبقہ اس فریضہ کی جانب متوجہ ہوا ہے لیکن نمایاں خدمات جماعت اسلامی کی ہیں، جس نے پچھلے دو دہائی سے باقاعدہ منصوبہ بند طریقہ سے اس جانب کام شروع کیا ہے، تقسیم ہند کے وقت قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنے آخری خطاب جو خطبۂ مدارس یا مسلمانوں کا آئندہ لائحۂ عمل کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے، اس میں نہایت صراحت کے ساتھ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"قوم پرستی اور اس کے طور طریقوں اور اس کے دعوؤں اور مطالبوں سے توبہ کرکے اسلام کی رہنمائی قبول کرلیں، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی قومی اغراض کے لیے سعی اور جد و جہد کرنے کے بجائے اپنی تمام کوششوں کو صرف اسلام کی دعوت پر مرکوز کردیں، اور من حیث القوم اپنے اخلاق، اعمال اور اجتماعی زندگی میں اس کی شہادت دیں جس سے دنیا یقین کرسکے کہ فی الواقع یہ وہ قوم ہے جو اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ محض دنیا کی اصلاح کے لیے جینے والی ہے۔ اور درحقیقت جن اصولوں کو یہ پیش کر رہی ہے وہ انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نہایت اعلیٰ و ارفع اور اصلح بنا دینے والی ہے"۔

جماعت اسلامی ہند اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے قیام کے پہلے دن سے اس میدان میں کام

کرنے کے لیے فکرمند رہی ہے، لیکن اس میں تیزی اور منصوبہ بندی و باقاعدگی پچھلے دو دہائیوں سے آئی ہے۔ مسلسل غور و فکر اور عمل کے نتیجہ میں جماعت کے تحت دعوتی کام کا ایک ہمہ گیر اور وسیع الاطراف نظام قائم ہو چکا ہے، برادرانِ وطن تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ان کی زبانوں میں حکیمانہ انداز سے لٹریچر کی اشاعت، دعاۃ کی تیاری، انفرادی و اجتماعی روابط، حاصل شدہ نتائج پر مزید منصوبہ بندی، وغیرہ ایک طویل موضوع ہے، تفصیل جماعت سے قریب آکر یا اس کے شعبہ دعوت سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ جماعت کے علاوہ دیگر تنظیموں جن کا فکری مرجع قائدینِ تحریک اسلامی ہیں انھوں نے بھی اس نہج پر کام چھیڑ رکھا ہے، بعض ایسے افراد بھی ہیں جن کی فکری ساخت کی بنیاد تحریک اسلامی کا لٹریچر ہے یا براہ راست قرآن و سیرت کے مطالعہ سے دعوتی کام کی اہمیت ان پر واضح ہوئی ہے وہ بھی اس محاذ پر کوشاں نظر آتے ہیں، تحریک اسلامی اپنے وسیع تر مفہوم میں ان ساری کوششوں کو محیط ہے، اور ظاہر ہے ان کوششوں کا سرخیل ہونے کا شرف جماعت اسلامی ہند کو حاصل ہے۔

۲۔ **ادارہ جاتی جد و جہد** ملت اسلامیہ ہند کے لیے یہ امر باعث مسرت ہے کہ بہت سی دینی درسگاہوں نے دعوتی کام کی اہمیت کو سمجھا ہے اور ادارہ کی سطح پر ایسا نظم قائم کیا ہے جس سے اس اہم فریضہ کی بحسن و خوبی انجام دہی ہوسکے۔ ایک دہائی قبل تک شاید ہی کسی مدرسے میں اعداد الدعاۃ کے نظریہ کے لیے کوئی جگہ رہی ہو، مگر اب صورت حال یہ ہے کہ درجنوں اداروں نے اپنی تعلیمی نظام کے جزو کے طور پر شعبہ دعوت قائم کر رکھا ہے، عموماً متعلق مدرسہ کے فارغین کو مناسب ترغیب کے ساتھ کچھ ایام مزید اپنے احاطے میں رکھ کر ایسے علوم کا درس دیا جاتا ہے جو برادرانِ وطن میں اشاعت اسلام کے لیے ضروری ہیں، ساتھ ہی شعبہ دعوت کے تحت عملی مشق کا کسی تجربہ کار مشرف کی نگرانی میں رہنمائی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ مشرفین وہ لوگ ہیں جو تحریک اسلامی کی فکر سے غذا حاصل کرتے ہیں اور فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے ان اداروں کے تحت دعوتی تربیت کے شعبہ سے وابستہ ہوگئے ہیں، خوش کن پیش رفت یہ ہے کہ اس میدان میں وہ افراد یا ادارے بھی سرگرم عمل ہیں جو کسی وجہ سے کسی درجہ میں تحریک اسلامی کی فکر سے اختلاف رکھتے ہیں۔

۳۔ شخصیاتی جد و جہد ملک کے طول و عرض کے جائزے کے بعد کچھ ایسی شخصیات سے تعارف ہوا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارے کا مقام رکھتی ہیں۔ ان حضرات نے ابتداءً اپنی ذاتی دلچسپی اور احساسِ ذمہ داری کے تحت برادرانِ وطن میں تعارفِ اسلام کا کام شروع کیا اور رفتہ رفتہ ان کے مقاصد سے لوگ اتفاق کرتے گئے۔ ان کے زیرِ اثر رہ کر کئی باصلاحیت افراد نے اپنی قوتوں کا استعمال فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لئے وقف کر دیا۔ ان حضرات نے اپنی ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر کارِ دعوت کا ایک لائحۂ عمل ترتیب دیا اور اپنے انداز سے سرگرمِ عمل ہیں۔

کس حد تک ان کا طریق کار درست ہے؟ اور کہاں کہاں کن کن پہلوؤں سے توجہ کی ضرورت ہے؟ ان کا انداز کار کتنا شدت ہے اور کس قدر خلافِ حکمت ہے اس پر بہر حال گفتگو کی گنجائش موجود ہے لیکن ہر ایک کے نظام العمل سے بہت سی کار آمد باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ایک مقصد کے لئے کام کرنے والے افراد کو قریب کرکے بہت بڑا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ انفرادی جد و جہد: اسلام اور عشرِ اسلام سے معمولی درجے کی واقفیت رکھنے والا ہر مسلمان اچھی طرح سے اس بات کو سمجھتا ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے، اور دین کی تکمیل فرمائی ہے، جو لوگ مسلمان ہیں وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں جو مسلمان نہیں ہیں وہ جہنم میں جانے والے ہیں۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان یہ بات بھی جانتا ہے اور پسند کرتا ہے کہ مسلمان کو اسلام کی بات غیر مسلموں کو بتانی چاہیے اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے کی دعوت دینی چاہیے۔

اس عمومی اور ابتدائی تصور کے تحت کسی جگہ کسی بھی محرک کے تحت کوئی غیر مسلم اسلام کی طرف راغب ہوتا ہے تو مسلمان نہ صرف خوشی محسوس کرتے ہیں بلکہ حتی الوسع کوشش بھی کرتے ہیں کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم سے رابطے کی بنیاد پر اگر احساس ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی بات مان سکتا ہے تو منوانے کی کوشش کرتے ہیں، علاوہ ازیں بعض افراد ذاتی طور پر برادرانِ وطن میں اسلام کے دعوت و تبلیغ کا مزاج اور رجحان رکھتے ہیں، بالکل کم پڑھے لکھے افراد بھی کسی وجہ سے اسلام کی ترجمانی بہتر

موثر طریقے سے کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس نوعیت کے مختلف کام متعدد مقامات پر ہو رہے ہیں۔

ان کاموں کا کوئی سروے نہیں ہے، بلکہ کس شہر میں کون افراد یہ کام کر رہے ہیں کسی کو معلوم بھی نہیں، مگر امرِ واقعہ یہ کہ ذاتی طور پر بہت سے افراد دعوت کا کام بھی کر رہے ہیں، اپنے کام میں موثر بھی ہیں، اور لوگ مشرف بہ اسلام بھی ہو رہے ہیں ان تمام انفرادی کوششوں کا جائزہ لے کر اگر منصوبہ بندی کی جائے تو اچھی شکل بن سکتی ہے۔

۵۔ دیگر عوامل قبولیتِ حق کے واقعات کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک تعداد ان افراد کی ہے جن پر کسی سطح سے کسی نے کوئی کام نہیں کیا ہے۔ مگر وہ نہ صرف یہ کہ اسلام کی طرف راغب ہوئے بلکہ آگے بڑھ کر اسلام قبول بھی کر رہے ہیں۔ اس طرح قبولیتِ اسلام کے جو متعدد واقعات منظرِ عام پر آ رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی وقتی یا ردِ عملی کیفیت نے انھیں اسلام کی طرف مائل کیا ہے، یا اعلیٰ ذات کے مظالم سے دل برداشتہ ہو کر سماجی اور سیاسی مقام کی تلاش میں مسلم ملت کا جزء بننے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ یا اپنی تہذیب اور مذہب سے بیزاری کے نتیجے میں تلاشِ حق کی بنا پر از خود راغب ہوئے ہیں، یا کہیں اسلامی تہذیب و ثقافت کی سادگی نے لوگوں کو متوجہ کر دیا ہے، یا کسی خاتون یا مرد سے جنسی رغبت کی بنا پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں یا ملکی اور عالمی سطح پر اسلام کے خلاف منظم سازش کے تحت زبردست پروپیگنڈے نے تجسس پر آمادہ کیا اور اسلام کی روشنی منکشف ہوگئی ہے، یا فطرت کی طلب نے تلاشِ حق پر آمادہ کیا ہے۔ وغیرہ

یہ طبقہ خالص توفیقی بنیاد پر اسلام کی طرف راغب ہو رہا ہے اور اپنے ساتھ بڑے پیچیدہ مسائل بھی رکھتا ہے، لیکن اس نوعیت کے محرکات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ملت کو اس کا نوٹس لینا ہوگا، اس طبقے کے مسائل کو سمجھنا ہوگا اور اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوگی۔

(قبولیت حق)

نو مسلمین اللہ کا شکر ہے ان مختلف النوع کوششوں اور محرکات کے نتیجے میں ایک قابلِ ذکر تعداد غیر مسلمین کی نہ صرف اسلام کی طرف متوجہ ہو رہی ہے بلکہ سطح پر دعوتِ حق قبول کرنے

کے واقعات بھی پیش آ رہے ہیں، جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کی جانب بھی ملت متوجہ ہے، اور نو مسلمین کی تعلیم و تربیت کے ذیل میں جو کام انجام پا رہے ہیں ان کا اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے۔

الف۔ بعض تنظیمیں احساس ذمہ داری کے تحت ایک طرف دعوت اسلام کو اپنا مطمح اول بنائے ہوئے ہیں وہیں مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک واضح منصوبہ پر عمل پیرا ہیں۔ اجتماعی کوششوں کے ذیل میں وہ ادارے آتے ہیں جو خالص نو مسلمین لڑکے اور لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے قائم ہیں۔ یہ ادارے ایسے نو مسلمین کی تعلیم و تربیت اور کفالت کے لئے قائم کئے گئے ہیں جو مختلف طبقات سے مختلف عمروں کے مختلف ذہنی سطح کے حامل ہوتے ہیں، ان کے قیام و طعام کے ساتھ تعلیم و تربیت کا مختصر مدتی کورس رکھا گیا ہے، مثلاً ۳ ماہ، چھ ماہ، جس میں ابتدائی لکھنا پڑھنا، اسلام کی ابتدائی معلومات، دعائیں، نماز وغیرہ کے اذکار اسلام کی مبتدیات کا مطالعہ، اسلامی شعائر وغیرہ کا تعارف۔ مختصر مدتی کورس کی تکمیل کے بعد یہ نو مسلمین مختلف میدانوں میں واپس ہوتے ہیں، کچھ اپنی بستیوں میں واپس آ کر اپنے روزمرہ کی مشغولیات میں رہتے ہوئے اسلام کا تعارف کراتے ہیں، بعض اعلیٰ تعلیم کے لئے دیگر مدارس کا رخ کرتے ہیں، بعض کی صلاحیت کے پیش نظر تنظیمیں انہیں دعوتی کام پر لگا دیتی ہیں، ان میں سے بعض امامت و خطابت، درس و تدریس کے کام بھی انجام دیتے ہیں۔

ان نو مسلمین لڑکوں اور لڑکیوں کے دیگر امور پر بھی تنظیمی سطح پر توجہ دی جاتی ہے، مثلاً شادی، بیاہ، کاروبار، وغیرہ۔

ب۔ نو مسلمین کی تعلیم و تربیت کا ایک نظم وہ ہے جو بعض دینی مدارس نے اپنے نظام کے ایک حصے کے طور پر قائم کر رکھا ہے بعض مقامات پر الگ شعبے کے طور پر ہے اور اکثر جگہوں پر عمومی نظام کے تحت ہی نو واردان کی ذہنی استعداد کے مطابق مناسب درجے میں داخل کر کے تعلیم و تربیت کا نظم کیا جاتا ہے، الگ قائم کرنے اور ایک ساتھ لے کر چلنے ہر دو نظام میں بعض مثبت اور بعض منفی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ج۔ اسی طرح یہ کام تخصیاتی اداروں اور انفرادی طور پر بھی کیا جا رہا ہے نو مسلمین کی ایک تعداد ایسی بھی ہے جو کسی طرح کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت سے محروم ہے ایسے بھی واردات ہیں جو کسی بھی تحریک کے تحت مسلم ملت کا جزو تو بن گئے ہیں مگر ان کی سابقہ طرز زندگی کے بارے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ ملت کے اندر غیر منضبط کاموں میں ان افراد کی تلاش ان کے مسائل سے واقفیت اور توجہ کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ ملت کے اس عظیم اجتماعی و انفرادی فریضے کو منظم اور مربوط کیا جائے۔ بلفضلہ تعالیٰ اگر کار دعوت کے لئے اجتماعی احساس بیدار ہوا ہے تو اس احساس اور جذبہ کو صحیح رخ دیا جائے، مختلف سطحوں پر ہونے والے کاموں کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے، اور اس فریضے کے مختلف مراحل اور اس کے مختلف اجزاء کے تحت منصوبہ بند جدوجہد کی جائے، فریضہ کے ساتھ ساتھ موجودہ ملکی و عالمی پس منظر میں چونکہ کار دعوت مرکزی پروگرام بن گیا ہے لہذا اس جانب ہر سطح پر کماحقہ توجہ دی جائے۔

موجودہ مرحلہ: سرزمین ہند پر کار دعوت کے ذیل میں ملت انفرادی، اجتماعی، تخصیاتی اور ادارہ جاتی وغیرہ سطح پر مختلف النوع سرگرمیوں کے ذریعہ اس وقت اس مقام پر آ گئی ہے کہ اس اہم فریضہ کے سلسلے میں ارباب حل و عقد کو موجودہ کوائف کا باریک بینی سے تجزیہ کرتے ہوئے مستقبل کی زبردست منصوبہ بندی کرنی چاہیے منصوبہ بندی کے لئے درج ذیل دائرے سطح پر موجود ہیں۔

۱۔ **کار دعوت کی فرضیت کا احساس:** تقریریں، تحریریں، کتابچوں اخباری مضامین اور دیگر ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے ملی سطح پر زبردست مہم چلانے کی ضرورت ہے کہ عوام و خواص کو غیر مسلمین میں اسلام کے تعارف کی دینی، اخلاقی اور سیاسی و معاشرتی ضرورت کا بھرپور انداز میں تعارف کرایا جائے، اب تک اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے جب کہ عقلی اور نقلی اعتبار سے یہ کام سرفہرست ہونا چاہیے مختصر، عام فہم، مدلل اور مبسوط ہر طرح سے اس کی ضرورت و افادیت کو مہماتی انداز سے واضح کر کے ملت کے عوام و خواص کو شریک عمل کرنا چاہیے۔

۲۔ **رابطہ:** ملک و بیرون ملک ہونے والے دعوتی کاموں کا تعارف ہونا چاہیے مختلف

جہات سے مختلف انداز میں ہونے والے کاموں کے اندر تال میل پیدا کرنے، ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے اور باہمی تعاون واشتراک کی فضا بنانے کی کوشش ہونی چاہیے۔ طریق کار کے نقائص کی اصلاح کے لیے بعض لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو تمام کاموں کا جائزہ لے کر ان کا تجزیہ کرکے مشاورتی نشستوں کے ذریعہ مفید رہنمائی کرسکیں۔

۳۔ **دعاۃ کی تربیت**: بڑی خوش آئند بات ہے کہ ملت کا ایک حصہ فریضۂ دعوت کی انجام دہی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ انبیاء علیہم السلام کا کام انبیائی طریقے ہی سے انجام دیا جانا چاہیے۔ انبیائی طریق کار کیا ہے؟ قرآن وسنت میں دعوت کا اسلوب کیا ملتا ہے، حالات وظروف کی رعایت میں داعی کو کن کن باتوں کا علم ہونا چاہیے، اور کن حالات میں کن لوگوں میں کیسے اس فریضہ کی ادائیگی کی جانی چاہیے، اس کے لیے داعیانہ جذبہ رکھنے والوں کی ذہنی، فکری اور عملی تربیت کی ضرورت ہے، یہ تربیت دو محاذ پر ہونی چاہیے۔

الف۔ **عمومی تربیت**: عمومی تربیت سے مراد یہ ہے کہ داعی کو بقدر ظرف اور بقدر استعداد ہر فرد کو دعوت کی انجام دہی کے لیے علمی اور عملی تربیت لازماً دی جائے۔ اس میں انبیائی طریق کار، مختلف طبقات کا ذہنی، نفسیاتی، معاشرتی تجزیہ، میدان عمل میں آنے والے مراحل، مشکلات کا علم، پیش آمدہ مسائل سے نمٹنے کا سلیقہ، مدعو کی زبان میں بولنے کی مشق، نفسیاتی رکاوٹوں کا ازالہ، اور اسی طرح کے امور پر حسب ضرورت علمی اور عملی تربیت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ الحمد للہ بعض نمایاں جماعتیں جنھوں نے کار دعوت کو ترجیح اول قرار دیا ہے، اس میدان میں ان کی خدمات قابل قدر اور قابل تقلید ہیں۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ موجودہ طریق کار اور رفتار کار میں کن کن پہلوؤں سے توجہ کی ضرورت ہے۔ اصولی طور پر یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ داعی ہر دم تجرباتی دور سے گزرتا ہے بشرطیکہ عزم واخلاص، مختلف مراحل میں حکمتیں اس کے قلب پر القاء ہوتی ہیں اور خدا کی براہ راست رہنمائی میں اس کی پیش رفت جاری رہتی ہے البتہ داعی گروہ کو ہر دم محاسبہ کا عمل جاری رکھنا چاہیے، اور غور وفکر کے بعد اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

(ب) **خصوصی تربیت**: مراد یہ ہے کہ ملت میں چند افراد ایسے پیدا ہوں جو اسلام اور دیگر مذاہب پر ماہرانہ دسترس رکھتے ہوں، علمی اور فکری محاذ پر ایک طرف کارکنان دعوت کو ضروری مواد فراہم کرسکیں، دوسری طرف مختلف مذاہب ونظریات کا تجزیہ کرکے اس کا بے اصل ہونا واضح کرسکیں۔ موجودہ مرحلہ میں اس طرح کے اسکالرس کی ملت میں شدید قلت ہے۔ علمی مراکز کے توسط سے یہ کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ عمومی وخصوصی تربیت کے مرحلہ میں وہی افراد آسکتے ہیں جن کی نشوونما بنیادی طور پر فریضۂ شہادت حق اور جذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ کے تحت ہوئی ہو۔ یہ کوئی مصنوعی عمل نہیں ہے کہ بنیادی جذبات واحساسات کے بغیر داعیانہ تربیت کے مرحلے میں آسکیں، اگر اس کی رعایت نہ ہوگی تو جو افراد داعی کے طور پر تیار ہوں گے ان کا طرز عمل حقیقی کے بجائے مصنوعی نوعیت کا ہوگا اور یہ فرق تمام کاموں کو اثر انداز کرے گا۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ عام طور پر اس نکتہ کو نظر انداز کرکے کام کرنے سے فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ مرحلہ میں اعداد الدعاۃ کے ذیل میں جو کام ادارہ جاتی سطح پر انجام پا رہا ہے اس کا یہ نقص بہت نمایاں ہے۔ اس لیے شخصیات، اداروں اور تنظیموں کو پہلے مرحلے میں اس فکر کو جلا دینا چاہیے جو آگے چل کر کارکنوں کے اندر شعوری اپج پیدا کرسکے۔

۴۔ **ذرائع ووسائل**: کسی بھی کام کو انجام دینے کے لیے افرادی قوت کے ساتھ ذرائع ووسائل کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں جدید ذرائع ووسائل کو استعمال کرکے ایک فرد بہت زبردست کام انجام دے سکتا ہے۔ ذرائع کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ آج اپنی فکر کو عام کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کیے جارہے ہیں، ذہنوں پر کیسے مسلط ہوا جاتا ہے۔ بیک وقت بڑی تعداد کو کیسے اپنی جانب متوجہ کیا جاسکتا ہے، دوسرے اسباب کے ساتھ ٹیکنالوجی کا استعمال اہم جز ہے۔ خدا کا شکر ہے ملت خود صلاحیت اور وسائل کے ساتھ جدید تکنیکی طریقے اختیار کررہی ہے لیکن وسائل کا دامن ابھی خالی پڑا ہوا ہے۔ وسائل کی فراہمی میں مسلم Intelectuals کو اس کام میں

Involov کرنے کی ضرورت ہے، اصحاب خیر کو سرمایہ فراہم کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا، تکنیکی ماہرین کا ایک ورود بنانا ہوگا، جو مختلف میدانوں میں رہنمائی کر سکیں، مسلم ممالک کے حکومتی وسائل کو استعمال کرنے کی کوشش کرنی ہوگی، اہل رسوخ کو حکمرانوں کے ذہن میں کار دعوت کی ضرورت اور اہمیت واضح کرنی ہوگی، یہ ذرائع و وسائل سے متعلق مختلف اسکیموں کا تجربہ کرنا، اس کو عام کرنا، اس کے نتائج سے آگاہ کرتے رہنا ہوگا تاکہ تہذیبی دوڑ میں کارکنان دعوت پیچھے نہ رہیں، کیونکہ اللہ کے پیدا کردہ وسائل کے اصل حقدار وہ لوگ ہیں جو اس کے مددگار ہیں۔

۵۔ **نومسلموں کے مسائل:** (نتائج کا حصول) جائزے کا ایک موضوع ان نتائج کا حصول ہے جو مختلف سطح پر مختلف انداز میں، متعدد بنیادوں پر اسلام کی طرف میلان یا دعوت حق قبول کر لینے سے واقع ہوتے رہتے ہیں، دعوتی کام کے اثرات مختلف انداز سے مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام کے سلسلے کی غلط فہمیوں کا ازالہ، اسلام کو مبنی برحق تصور کرنا مگر قبولیت میں جھجک، اسلام سے عداوت اور کار دعوت کی مزاحمت، دعوت حق قبول کر کے دائرہ اسلام میں آجانا، حیرانی و پریشانی کہ مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے درمیان فی الواقع حقیقی اسلام کیا ہے، کسی عملی و اعتقادی تبدیلی کے بغیر مسلم ملت میں آشامل ہونا، اسلام کی آفاقی تعلیم سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونا، اسلام قبول کر لینا مگر اپنے سماج کی تہذیب و کلچر سے وابستگی برقرار [illegible]

انگنت محرکات کے سبب ایک بڑی تعداد [illegible] اسلام میں داخل ہو رہی ہے، بحیثیت مجموعی ان تمام افراد کا جائزہ لینا، ہر فرد یا حلقہ کے اعتبار سے لائحہ عمل مرتب کرنا اور سنجیدہ انداز میں فلاح آخرت کے لئے ملت اسلامیہ کا جز بننے والے افراد کی مناسب تعلیم و تربیت کا نظم کرنا، دیگر معاشرتی و معاشی مسائل کے حل میں تعاون کرنا اور نومسلمیت کے بیبل کو ختم کر کے ملت میں ضم کرنا ایک طویل اور مضبوط منصوبہ بندی کا طالب ہے۔ موجودہ مرحلہ میں جن نومسلمین کی تعلیم و تربیت کا نظم قائم ہے وہ نہایت محدود ہے۔ ایک جائزہ کے مطابق اسی فیصد نومسلمین ایسے ہیں جن کی تعلیم و تربیت کا کوئی نظم نہیں ہے بلکہ وہ کارکنان کی نظروں سے بھی مخفی ہیں تو سیع اشاعت کے ساتھ یا اس سے پہلے حاصل شدہ نتائج پر توجہ

[illegible] کرنے کی ضرورت ہے اور ان افراد کی تلاش پھر مناسب تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔

مسلم ملت کا معاشرتی نظام، ذات برادری کا غلط تصور ان نو واردان چمن کے لئے بڑی رکاوٹ ہے۔ صحیح الفکر افراد کو ان بندھنوں کو توڑنا چاہیے اور نومسلمین کو گلے لگانا چاہیے۔ مگر اس کام میں بڑی حکمت اور مناسب ترتیب کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوتا کسی مرکز کے تحت درجہ بندی کی جاتی اور ہر ایک کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب رہنمائی ہوتی اور ملت اس طرح سے نظم کرنے والوں کا بھرپور تعاون کرتی۔

چند قابل لحاظ امور:

دعوت دین بلاشبہ امت محمدیہ پر فرض ہے، اور یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ ملت اس جانب متوجہ بھی ہوئی ہے، خدا کرے ملت کا عمومی احساس بیدار ہو اور کما حقہ اس فریضہ کی ادائیگی ہونے لگے۔

ذیل میں چند اہم امور کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے، یہ وہ امور ہیں جن کا لحاظ ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے اور ہمیشہ کیا جانا چاہیے، انبیائی طریقہ دعوت کے مطالعہ سے نہایت تفصیل کے ساتھ ان امور پر روشنی پڑتی ہے۔ حکمت کی ان باتوں کو نظر انداز کرنے سے نہ تو فریضہ کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس سے مفید نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

۱۔ **فرضیت**　　احساس ذمہ داری، فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کا حصول۔ داعی کو کار دعوت کے لئے جد و جہد کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی میں تساہلی یا کوتاہی اللہ کی نگاہ میں شدید جرم ہے اور اس جرم کی سزا دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھگتنی پڑتی ہے، دراصل یہ احساس فرض جتنا ابھرا ہوگا اسی تناسب سے داعی کے اندر جذبہ، تڑپ، دلچسپی، اور جد و جہد کی کیفیت پیدا ہوگی، یہی احساس ذمہ داری تھی جس نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ہمہ آن بے تاب کر رکھا تھا، اس بے تابی کی انتہا تھی کہ فریضہ عائد کرنے والے کو خود کہنا پڑا، لعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفاً۔

۲۔ **انسانیت**　　انسانیت کا آفاقی تصور، محبت و انسانیت کا جذبہ، بنی نوع انسان کی

خیر خواہی اور یہ احساس کہ سارے انسان جو اللہ کا کنبہ ہیں (عیال اللہ) اگر دنیا و آخرت کی تباہی میں خود کو ڈال رہے ہیں تو داعی جس کی نگاہیں انجام کو دیکھ رہی ہوتی ہیں بے چین ہو اٹھتا ہے اور پوری قوت جھونک دیتا ہے کہ اپنے بھائی کو جہنم کی آگ سے بچائے، سامنے والا نارو اسلوک بھی کرتا ہے تو داعی اس کی جہالت اور نادانی پر ترس کھاتا ہے اور اپنا کام بدستور کئے چلا جاتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے آگ اور پتنگے والی تمثیل سے واضح فرمایا ہے۔

۳۔ کردار داعی وہی ہے جو امورِ دعوت پر شرحِ صدر رکھتا ہو اور اس بھلائی کے راستے پر اپنی ذاتی فلاح و کامیابی کے لئے خود گامزن ہو۔ اس کے بغیر اگر کوئی دعوتی کام کرتا ہے یا دعوت کا کام لیتا ہے وہ سراسر بے بنیاد اور دھوکہ ہے۔ بے عمل افراد داعی ہو ہی نہیں سکتے ہیں۔ فریضۂ دعوت کی ادائیگی داعی سے بہت آگے کا مطالبہ کرتی ہے، داعی کو عوام الناس کے درمیان اپنے اخلاق و کردار اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے بہت نمایاں ہونا چاہیے، داعی کی عملیت کا گراف جتنا بلند ہوگا اسی تناسب سے اس کے کام میں جان پیدا ہوگی اور اس اعتبار سے دعوت ثمر بار ہوگی۔

۴۔ پُر امن ذہنی تسخیر اس سے مراد یہ ہے کہ داعی کے اندر انسانی طبقات کے درمیان بربنائے انسانیت کسی نوعیت کا تعصب نہ ہو، خاندانی، معاشرتی، سیاسی یا مذہبی ہر طرح کا تعصب کارِ دعوت کے لئے بہت مضر ہے۔ دراصل داعی معروفات کو مدعو کے ذہن میں اتارنا چاہتا ہے، مدعو کو راہِ حق پر لانا چاہتا ہے مدعو کو نا سمجھ یا معذور سمجھتا ہے، ان تصورات کے ساتھ اسے لازماً پر امن ذہنی تسخیر کا سہارا لینا ہوگا، وہ کوئی ایسا راستہ ہرگز نہیں اختیار کر سکتا جس سے زور زبردستی، نفرت و عداوت، طبقاتی کشمکش، تشدد پسندی، قومی کشاکشی کی فضا بنے ان کیفیات کی موجودگی میں داعی اپنا کام نہیں کر سکتا، اس لئے باطل پسند قوتیں ہر دور میں منصوبہ بند کوشش کرتی رہی ہیں کہ فضا خوشگوار نہ رہے، اور ایسے کشیدہ حالات رہیں جن میں متوازن ذہن کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہ سکے۔

۵۔ حکمت، تدبر، سوجھ بوجھ: داعی وہی کامیاب ہو سکتا ہے جس کے اندر سوجھ بوجھ کی صلاحیت زیادہ ہو، حکمت خدا کا عظیم عطیہ ہے، "من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً" یوں تو حکمت و تدبر زندگی کے جملہ مراحل میں کام آنے والی نعمت ہے، لیکن میدانِ دعوت میں اس وصف کے بغیر آدمی چل ہی نہیں سکتا، جتنے مخاطب ہوتے ہیں ہر ایک کی الگ الگ تشخیص ہوتی ہے، بعض امور قدرِ مشترک ہوتے ہیں بعض میں نمایاں فرق ہوتا ہے، مدعو کی ذہنی سطح، میلانات، رجحانات، تہذیب و ثقافت ہر چیز کا متوازن تجزیہ اور تشخیص کرنی ہوتی ہے پھر بقدرِ ظرف و مزاج علاج سوچنا پڑتا ہے اور نہایت باریک بینی سے اثرات کا جائزہ لینا ہوتا ہے، استدراج، قولِ لین، الاقرب فالاقرب، لسان قوم وغیرہ کی مکمل رعایت کے ساتھ آگے بڑھنا پڑتا ہے، یہ امور حکمت کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔

۶۔ استغنا بے نیازی، قربانی و فداکاری داعی کی اہم صفت ہے۔ داعی دراصل مدعو کو وہ دینا چاہتا ہے جو اس کے لئے فلاح و امن کا وسیلہ ہے داعی اپنا مقام اس وقت کھو دیتا ہے جب مدعو سے کچھ چاہنے لگتا ہے، مدعو سے اسے صرف قبولیتِ حق کی خواہش رکھنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی سیرت میں لا ارید منکم من شیء قولی اور عملی دونوں پہلوؤں سے نظر آتی ہے مطالباتی طرزِ عمل سے دعوت کے بلند مقام کی نہ صرف توہین ہوتی ہے بلکہ دعوت بے اثر ہو جاتی ہے، اس لئے انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر اس بنیادی وصف کو فروغ دینا ہوگا۔

۷۔ رجائیت داعی اپنے روحانی مریض (مدعو) سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ کارِ دعوت میں توحیت سم قاتل ہے، کارِ دعوت تو ایسا فریضہ ہے جس کا صلہ مومن کو اپنے آقا سے لینا ہے، آخر اس کا صلہ دنیا ہی میں کیوں طلب کرے، اسے ایک حکم ملا ہے جسے بہر صورت اسے بجا لانا ہے، مدعو اس کی نظر میں معذور انسان ہے جو تباہی کی طرف لپک رہا ہے، اسے بچانا اور آخری دم تک بچانے کی کوشش کرنا اس پر لازم ہے، انبیاء کرام کی تاریخ اس معاملے میں دلیل قاطع ہے، مایوس ہونے والے اپنے مریض کو منزلِ شفا تک ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔

۸۔ صبر و استقامت مراحل سے آگہی۔ داعی کو اس راہ کے خطرات سے اچھی طرح واقف کار ہونا چاہیے، یہ راہ عشق و وفا ہے، اس راہ کے راہی کو اس کا آقا بھٹی میں تپاتا ہے تاکہ کھرا کرے، قدم قدم پر بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا ہوتا ہے، اگر پہلے سے ذہنی طور پر تیار نہ ہوگا

تو ہر آن ڈگمگانے اور مخالفت کے سامنے سپر ڈال دینے کا اندیشہ رہے گا،

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

۹۔ **تکبیرِ رب** دعوت کا مفہوم بے شک یہ ہے کہ اسلام کی بات دوسروں کو بتائی جائے اس تصور میں اتنی وسعت ہے کہ ایک فرد اپنے ہر کام کو دعوت سے تعبیر کر سکتا ہے، خواہ وہ اسلام کی کسی بھی بات کو مدعو کے سامنے پیش کرے، بسا اوقات بات اسلام کی بھی نہیں ہوتی مگر داعی اپنی کوتاہی فہم کے نتیجہ میں اس کو عین اسلام سمجھتا ہے، ایسے واقعات ہر وقت مطالعہ میں آتے ہیں کہ کسی شخصیت کی طرف دعوت، کسی مخصوص فرقے اور مسلک کی دعوت، اسلام کے کسی جز کی دعوت، ہر چیز کو عین دعوت تصور کرکے بڑی سرگرمی سے کام کیا جاتا ہے۔

مگر انبیائی طریقہ کار دلیل ہے کہ ہر نبی نے اول اور بنیادی بات جس پر پورے مراحل دعوت میں یکساں زور دیا ہے وہ تکبیرِ رب کی دعوت ہے، اللہ کے راستے کی دعوت، اللہ کی بڑائی اور کبریائی کی دعوت، اس اللہ کی طرف بلانا جو ہر ایک کا خالق، مالک اور حاجت روا ہے۔

۱۰۔ **سماجی اصلاح** آخری بات جس کو داعی فرد اور گروہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اگر ایک طرف ایمان و یقین اور اللہ کی بندگی کی دعوت دی جائے تو ساتھ ہی بندگی رب کے تقاضے کے طور پر سماج کے اہم مسائل سے بھی تعرض کیا جائے، سماجی خرابیوں پر نکیر کی جائے، اور الاہم فالاہم کے اصول پر سماجی مسائل کو ایجنڈے میں لا کر اس کے ازالے کی مہم چلائی جائے، یہ تصور رہنا چاہیے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا راستہ بندگیِ رب سے وابستہ ہے، اور ایمان باللہ کا تقاضہ ہے کہ انسانیت کو سکون ملے، عدل و انصاف ملے، سماجی خرابیاں دور ہوں، جیسے انبیاء کرام نے ظلم و فساد کے خلاف مہم چلائی، قوموں کی غلامی کا شور بپا کیا، معاشی مسائل کو ہاتھ میں لیا۔ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

بحث و نظر

عرب اسرائیلی کشاکش کے بنیادی محرکات (۲)

اشرف شعبان ابو احمد (مصر)
ترجمہ: عبدالرحمٰن زریاب فلاحی

مطلق عسکری تفوق و بالادستی کے حصول کے لئے اپنی جارحانہ سرگرمی کے دوران اسرائیل نے امریکی جنگی اسلحہ خانہ سے خصوصاً اور دیگر مغربی ممالک سے عموماً مدد طلب کی نتیجۃً آج اسرائیل کے پاس جدید ترین اسلحوں اور جنگی آلات کی ایک پوری دنیا آباد ہے۔ جس کی وجہ سے حکمراں اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ کہ انہیں بھی امن و سلامتی کی ضرورت ہے۔ جب کہ وہ ملکی سطح پر امرِ واقعہ کے نفاذ پر قادر ہیں۔ اور عالمی پیمانے پر ان سے کوئی گرفت بھی نہیں ہوگی۔

اپنے عسکری تفوق و امتیاز کے تحفظ و بقاء کے نقطۂ نظر سے مملکت اسرائیل عرب ممالک کو کسی بھی اپنے جیسے اسلحہ سے بہرور و مستفید ہونے سے باز رکھنے کی مسلسل تدبیریں کرتا رہا ہے۔ لہذا عراقی ایٹمی ری ایکٹر کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ لیبیا کی دواساز کمپنی محض اس افواہ پر کہ اس میں کیمیاوی ہتھیار بنائے جاتے ہیں نذرِ آتش کر دی گئی۔ ان کے علاوہ اسرائیل نے ان ملکوں کے وزرائے دفاع کی جانب غلط باتیں بھی منسوب کیں جن کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہاں کیمیاوی ہتھیار استعمال ہوتے ہیں۔ یا پھر اسرائیل نے ان ملکوں کے وزرائے دفاع کو بھی قتل کرنے کی سازشیں کیں۔

ساتھ ہی دہائی سے اسرائیل نے عرب اسکالر، فضلا، ماہرین اور محققین پر اچانک حملہ کرنے کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔ ساتھ ہی مختلف تدبیروں سے عربوں کو ہر اس ٹکنالوجی سے جو انہیں زندگی کے کسی میدان میں آگے بڑھا سکتی ہو محروم رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا رہا ہے۔ اسرائیل کی یہ کوشش اس وقت خصوصی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے جب کہ یہ ٹکنالوجی کسی عرب سائنسداں کی جانب سے ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے کہ اگر وہ

سائنسداں بیرونِ ملک ہوں تو اپنے ملک واپس نہ آسکیں اور اگر زندہ ہوں تو انہیں قتل کردیا جائے یا سازشوں کے نرغے میں لے لیا جائے یہ باتیں بلا سند نہیں ہیں اس کی بہت سے مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ نوجوان مصری انجینئر عبدالقادر حلمی اور ان کے تین فاضل رفقاء کی مثال پیش خدمت ہے۔ جب کہ انہیں مصر کے فائدہ کے لئے جاسوسی کرنے کے جھوٹے الزام اور انتہائی اہم ٹکنالوجی کی اسمگلنگ کی کوشش کے جرم میں امریکہ میں قید کرلیا گیا، جب کہ ریکارڈس سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ انجینئر مصری فوج میں سابق افسر تھے۔ ۱۹۷۱ء میں ٹکنیکل کالج سے فراغت حاصل کی۔ مرکز برائے تحقیقات میزائیل میں نوکری کرتے تھے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے انجینئرنگ کالج سے ایم اے کا امتحان پاس کیا، اور پھر صنعت کاری کے عربی ادارہ میں ملازم رہے، لیکن بعد میں کینڈا ہجرت کرگئے وہاں سے امریکہ چلے گئے اور امریکی فضائی تحقیقات کے مرکز میں ملازم ہوگئے اور بہت سارے ایجادات اور انکشافات ایسی پیش کیں جنہوں نے میزائیلوں اور راکٹ لانچروں کی عمر بڑھادیں۔ میزائیل سسٹم کی ترقی ہوئی اور رفتار میں اضافہ ہوا۔ اس انجینئر نے ستاروں کی جنگ کے سسٹم کے نظم ونسق اور رہنمائی اور طیارہ شکن توپوں کے لئے ایک بالکل نئے نظام کا انکشاف کیا تھا۔ اس انجینئر کو جون ۱۹۸۹ء میں اپنے چار رفقاء کے ساتھ جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ بیوی کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اسے بھی قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا اتنا ہی نہیں جب اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دینے سے انکار کردیا تو ڈرایا اور دھمکایا گیا مزید یہ کہ امریکیوں نے اس مصری انجینئر کے ڈاکٹریٹ کا حاصل اس کے ذاتی کتب خانہ پر بھی قبضہ کرلیا امریکی اتھارٹی کی اجازت کے بغیر میزائیل ٹکنالوجی سے متعلق ممنوعہ مواد کے اکسپورٹ کے الزام میں عدالت نے ۴۵ ہفتہ قید کی سزا دی۔

دوسری مثال مصری ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر یحیٰی المشد کی ہے جنہیں صیہونیوں نے ۱۹۸۰ء میں فرانس کے اندر تختۂ مشق بنایا یہ عراقی ایٹمی توانائی کی کمپنی میں خدمات انجام دیتے تھے پیرس میں اچانک حملہ سے کچھ ہی پہلے وہ عراقی ایٹمی ری ایکٹر کو شروع کرنے کے لئے مطلوبہ ضروری

سامان کی درآمد سے متعلق ایک انتہائی خاص مہم پر گئے ہوئے تھے اسی طرح ایک اور مصری سعید السید کو قتل کردیا گیا جو ملٹری کالج کے فارغ التحصیل تھے، مصری پولس میں افسر کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا اور ترقی کرکے آپ لفٹنٹ کرنل بن گئے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ فوجی عہدہ دار بن گئے جس کی درخواست آپ انگلینڈ سے ایم اے کرنے کے بعد کی تھی پھر آپ نے کسی یونیورسٹی کے ریسرچ برائے مصنوعی سیارہ میں خدمات انجام دے کر مغربی جرمنی کے ہوش اڑادیئے جرمنی سے آپ نے اپنی ریسرچ کو دو سالوں میں منظرِ عام پر لانے کا معاہدہ کیا۔ اس دوران یہ نوجوان انجینئر حیرت انگیز نتائج تک پہنچ گیا پوری دنیا میں اس کے تحقیقی مقالے کو نشر کیا گیا یہاں تک کہ ۱۹۸۹ء میں دو امریکی محقق اس کے ساتھ اپنے مقالے کے اجزاء پر متفق ہوگئے بعد اس کے کہ انگلینڈ کی یونیورسٹی سے موصوف نے جو معاہدہ کیا تھا۔ اس کی مدت ختم ہوجائے اس یونیورسٹی کے محققین ناراض ہوگئے اور آپ کے پیچھے پڑگئے اور ستانے لگے کہ نہیں آپ امریکیوں سے کئے گئے معاہدہ کو کینسل کیجئے معاملہ اتنا سنگین ہوا کہ موصوف کی بیوی کے بقول انگلینڈ میں قیام کے دوران وہ ان کے شوہر اور دو بیٹے کو لایعنی چیزیں اور شوہر کی کتابوں کی چوری جیسے معاملات سے دوچار ہونا پڑا۔ مضطرب ہوکر خاندان نے مصر لوٹنے کا فیصلہ کیا البتہ شرط یہ تھی کہ پالی کی شوہر مصر سے واپس آئے تاکہ معاہدہ کی مدت پوری ہوسکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا معاہدہ کی مدت کے پوری ہوجانے پر ۸ جون ۱۹۸۹ء کو موصوف قاہرہ لوٹ آئے اور اپنے تحقیقی مقالے کو پورا کرنے کی غرض سے اسکندریہ میں اپنے کسی دوست کے پاس چلے گئے۔ جہاں ان کے اوپر ایک لاش گرپڑی اور آپ فوت ہوگئے۔ موصوف کی بیوی نے زور دے کر کہا کہ اس عمل کی جاسوسی ادارے کا ہاتھ ہے ریکارڈس نے یہ حقیقت طشت ازبام کردی ہے کہ سعید میزائیلوں سے مختص ٹیکنیکل انجینئرنگ میں اپنی نادر وفقید المثال تحقیق کی بنیاد پر دنیا میں موجود ۱۳ سائنسدانوں میں تیسرے نمبر پر آگئے تھے۔

تیسری مثال لبنانی مسلم سائنسداں ڈاکٹر رمال حسن رمال کی وفات ہے کیونکہ آپ کی وفات لیبارٹری میں مشکوک حالات میں سائنسی تحقیقات کے دوران واقع ہوئی۔ آپ کے

دوسرے مسلم سائنسداں ڈاکٹر حسن کامل صباح کی موت کے کچھ ہی دیر بعد فوت ہوئے حسن کامل صباح بھی شعبۂ طبعیات میں ملازم تھے۔ لو یوان میگزین کے مطابق رمال حسن کے بعد طبعیات کے میدان میں دورِ جدید کے اہم ترین سائنسداں میں حسن کا شمار ہوتا تھا۔ لو یوان عن کے مطابق حسن کامل تو فرانس کے سرمایۂ فخر و امتیاز ہیں۔ پیرس کے محکمۂ ریسرچ کے مطابق فرانس کے اندر اکیسویں صدی کے لئے سائنسی نقشہ جات کی صنعت میں مصروف ۱۰۰ شخصیات میں حسن کامل کو ساتواں مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد حکومت فرانس نے آپ کو اپنے یہاں خدمت انجام دینے کی درخواست کی لہٰذا آپ ''جرونوبل'' یونیورسٹی میں استاذ کی حیثیت سے کام کرنے پر راضی ہو گئے ساتھ ہی ساتھ علمی ریسرچ سینٹر میں محقق کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دینے لگے ۱۹۸۹ء میں طبعیات کے موضوع پر اپنی ریسرچ کے لئے Gold Medal ہونے کا تمغہ حاصل کرنے کے بعد انہیں سینٹر کے شعبۂ طبعیات و مردم شماری کے مدیر کا منصب عطا کیا گیا توانائی کے میدان میں آپ نے حیرت انگیز سائنسی انکشافات پیش کیں۔ آپ کے سائنسی کارناموں میں یہ دریافت سرِ فہرست ہے کہ شمسی، فضائی اور بعض اجسامِ طبعیہ سے صادر ہونے والی توانائی کو استعمال کر کے ہم متبادل توانائی حاصل کر سکتے ہیں جس طرح سے مشہور سائنسداں حسن صباح کی موت کے وقت لاش کے پاس کوئی نشان نہیں پایا گیا ٹھیک اسی طرح آپ کی بھی وفات ہوئی لہٰذا بعید نہیں کہ آپ کی موت بھی کسی سازش کا نتیجہ ہو۔

مصر کی پہلی خاتون ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر سمیرہ موسیٰ کی مثال حاضرِ خدمت ہے جنہیں ۱۵/۸/۱۹۵۲ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا: ڈاکٹر صاحبہ پائلٹ کے ساتھ اپنی گاڑی سے سان فرانسسکو کے ایٹمی ری ایکٹر جا رہی تھیں۔ خبر کے مطابق ایٹمی ری ایکٹر کے ادارہ نے انہیں ملازمت کے لئے بھیجا تھا راستہ میں ایک اونچے مقام پر نامعلوم پائلٹ گاڑی سے اس وقت کود گیا جب ایک پوشیدہ مال بردار گاڑی اچانک رونما ہوئی اور ڈاکٹر صاحبہ کی گاڑی سے ٹکرا گئی ڈاکٹر صاحبہ ۴۰ فٹ گہری کھائی میں گر چکی تھیں مال بردار گاڑی اور پائلٹ دونوں بھاگ گئے۔ لیکن مصر کی پہلی خاتون

ایٹمی سائنسداں تھیں اجل بن گئیں اس جرم شنیع کے تمام نشانات جائے وقوع سے فوراً حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے گئے کیس نامعلوم افراد کے نام ہوا۔ مصر میں سرکاری طور پر اعلان ہوا کہ اس گھناؤنے جرم کے پیچھے صہیونیوں کا ہاتھ ہے۔

مصری ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر سمیر نجیب کو ۱۳/۸/۱۹۶۷ء کو بیروت شہر میں اس وقت جامِ شہادت نوش کرنا پڑا جب کہ آپ اپنی گاڑی سے ائیرپورٹ جا رہے تھے ایک بھاری بھرکم گاڑی ڈاکٹر صاحب کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی لیکن اچانک وہ تیزی سے آگے آ گئی اور آپ کی گاڑی سے دھڑام سے ٹکرا گئی نتیجۃً آپ کی گاڑی چور چور ہو گئی اور آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ٹکرانے والی گاڑی بھاگ گئی کیس بنا کہ نامعلوم حملہ آوروں نے آپ پر اچانک حملہ کر دیا۔

۱۹۷۵ء سے لے کر اب تک مصری ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر نبیل القلینی کا کوئی پتہ نہیں۔ اسی طرح فلسطینی ایٹمی سائنسداں ف نبیل فلیفل پر اچانک حملہ ہوا ان کی لاش مقبوضہ فلسطین کے بیت فور کے علاقے میں ۲۸/۳/۱۹۸۴ء کو ملی ہے۔ ان تمام جرائم کے پیچھے اسرائیلی سراغ رساں ادارے اور اس کے پیروکار کا ہاتھ ہے جن کی پوری کوشش یہی ہے کہ عرب ملکوں کو کوئی ٹکنالوجی حاصل نہ ہو۔ اس کے پیش نظر اسرائیل عرب سائنسدانوں پر حملے اور ان کے صفایے کی روش پر گامزن ہے اور رہے گا جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ وہ فلسطینی مجاہدین کے قائدین اور سرگرم کارکنان کو تختۂ مشق بناتا رہتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عرب خطہ کی عوام کو اسرائیل کے ساتھ صلح امن و سلامتی کی صورت میں جو نقصانات پہنچے ہیں وہ جنگوں سے حاصل ہونے والے نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔ دیکھئے ڈیوڈ کیمپ کے معاہدہ کے بعد اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا اور بیروت میں داخل ہو گیا جنوبی لبنان، جولان اور بیت المقدس کے باہم ضم کرنے کا بلا روک اعلان بھی کر ڈالا۔ فلسطین کی پوری سرزمین غصب کر لینے پر بھی اسے یارائے صبر نہیں لہٰذا بعض عرب حکومتیں اس کوشش میں ہیں کہ اسرائیل سے جو معاہدہ امن و صلح ہوا ہے اسے منسوخ کیا جائے حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومتیں ہمیشہ سے اس صلح کو رد کرتی رہی ہیں اور کسی بھی اسرائیلی تعاون کو دیوار پر دے مارتی ہیں۔ اسرائیلی وجود کو

حکومتی سطح پر تردید کے ہی نتیجے میں ۱۹۸۷ء میں قاہرہ کے اندر اسرائیلی سفارت خانہ کے ایک رکن پر حملہ کی کوشش کی گئی لیکن وہ بچ گیا۔ گولی اس کے ہاتھ میں لگی۔ اس حادثہ کی ذمہ داری انقلاب مصر آرگنائزیشن نے قبول کی۔ اس حادثہ کے ۱۴ مہینے بعد اسی تنظیم نے اسرائیلی ملازم البرٹ پر اگست ۱۹۸۹ء میں حملہ کیا اس وقت وہ گاڑی کے اندر تھا۔ اس کے تین ساتھیوں کو مختلف قسم کی چوٹیں لگیں۔ دو مہینے سے کم کی مدت میں ایک دوسرا بڑا ہی اہم واقعہ رونما ہوا وہ یہ کی مصری فوجی سلیمان خاطر نے اسرائیلی سیاحوں کی ایک ایسی جماعت پر گولی چلا دی جو اس ممنوعہ علاقہ میں داخل ہو گیا تھا جس کی وہ نگرانی کر رہا تھا یہ واقعہ ۵/ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو رونما ہوا اس میں سات اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں یک مسلم جماعت کے کچھ لوگوں نے قاہرہ کے اندر اسرائیلی سفارتی خانہ کے ملازمین پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ قاہرہ کے ملکی شوروم سے نکل رہے تھے سفارت خانہ کے ایک ملازم کی بیوی کو ہجوم نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تین دیگر اسرائیلی زخمی ہوئے۔ فروری ۱۹۹۰ء میں اسرائیلی سیاح بھوبیں پر مصری اسماعیلیہ شاہراہ پر گولی چلائی گئی۔ اس میں ۱۱ لوگ جاں بحق ہوئے اور ۱۹ لوگ زخمی ہوئے ۲۵ نومبر ۱۹۹۰ء کو ایک پولس ایمن حسن نے اسرائیل مصر باؤنڈری لائن کے پاس ۴ اسرائیلی گاڑیوں پر فائر کر دیا جس کے نتیجے میں چار لوگ نعمت حیات سے محروم اور ۲۳ زخمی ہوئے۔ ان واقعات اور حادثات کے علاوہ ایسے لاتعداد مظاہرے ہیں جو عرب اسرائیل صلح کو مذموم قرار دیتے ہیں اور بعض کمپنیاں اور یونین نے تو صلح کی تمام اسرائیلی کوششوں کی تردید کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ابتدائے تاریخ سے ہی بنو اسرائیل کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنا ئے عہد نہیں کرتے ان کی یہی عادت رہی ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے! "یقینا اللہ کے نزدیک زمین میں چلنے والی مخلوقات میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ خصوصاً ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔" سورۃ الانفال (۵۵-۵۶)

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف (۳)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان
جامعہ ام القریٰ، مکۃ المکرمۃ

۴: سنن ابن ماجه:

صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے، اسکی قدر و قیمت اور کتب خمسہ کے درمیان اسکے مقام و مرتبہ کے تعلق سے علماء کی رائیں باہم دگر متضاد ہیں۔

اس کتاب کے محقق محمد فواد عبدالباقی لکھتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں کل "۴۳۴۱" حدیثیں ہیں۔ جن میں سے ۳۰۰۲ حدیثیں صحاح ستہ کی بقیہ پانچ کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ اور ۱۳۳۹ حدیثیں کتب خمسہ کی مرویات سے زائد ہیں۔ جن میں سے ۴۲۸ حدیثیں ثقہ راویوں کے ذریعہ مروی ہیں۔ ۱۹۹ احادیث حسن ہیں۔ ۶۱۳ حدیثیں ضعیف ہیں۔ ۹۹ احادیث بالکل ضعیف یا منکر یا موضوع ہیں۔

ابن ماجہ نے "۳۰۰۲" احادیث کی تخریج کتب خمسہ کے مؤلفین کے طرق کے علاوہ اپنے طرق سے کی ہے اور یہ جملہ طرق ایک دوسرے کو تقویت بہم پہونچاتے ہیں۔ یہ اس کتاب کی ایک اہم خوبی ہے۔ محققین نے اس کتاب میں وارد جملہ قولی احادیث کی ایک فہرست بھی تیار کی ہے جو حدیث کے آغاز کے لحاظ سے مرتب ہے اور ہر حدیث کے سامنے اس کا نمبر بھی درج ہے۔

ابن ماجه کی شرحیں:

۱: شرح الشیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی (۸۰۴)

مؤلف نے صرف ان احادیث کی شرح کی ہے جو کتب خمسہ کی مرویات سے زائد ہیں۔ کافی طویل اور لمبی شرح ہے۔ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے مؤلف نے اس کا نام "ما تمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ" رکھا ہے۔

۲: الدیباجۃ شرح سنن ابن ماجہ: کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری الشافعی (۸۰۸ھ)

یہ شرح پانچ جلدوں میں ہے۔ لیکن مؤلف اس کی تنقیح وتہذیب سے پہلے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

۳: شرح الشیخ ابراہیم بن محمد الحلبی (۸۴۱ھ)

۴: مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ۔ جلال الدین السیوطی۔

۵: شرح الشیخ ابی الحسن بن عبدالھادی السندی المدنی (۱۱۳۸ھ)

انتہائی مختصر نفع بخش اور عمدہ اور باریک ولطیف نکتوں پر مشتمل شرح ہے۔ صرف اہم امور کی شرح پر مؤلف نے اکتفاء کیا ہے۔

۵: سنن الامام الترمذی:

صحاح ستہ میں یہ تیسرے نمبر پر ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں! میں نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد حجاز وعراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ اسے جامع الترمذی بھی کہتے ہیں اور "سنن" کے نام سے بھی مشہور ہے البتہ پہلا نام زیادہ مشہور اور مستعمل ہے۔

امام ترمذی نے شیخین اور ابوداؤد کے نہج کو اختیار کیا ہے۔ جملہ فقہاء کے مستدلات، صحابہ اور تابعین کے مسالک کا تذکرہ کیا ہے۔ اور حدیث کے طرق کے تذکرہ میں عموماً اختصار سے کام لیتے ہوئے ایک حدیث کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور اس کے بقیہ طرق کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ اور ہر حدیث کی صحت، یا ضعف یا حسن یا غرابت ونکارت کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ جس سے کسی نہ کسی فقیہ نے استدلال کیا ہے سوائے "فان شرب فی الرابعۃ فاقتلوہ" اور حدیث "جمع بین الظہر والعصر بالمدینۃ من غیر خوف ولا سفر" کے۔

فقہاء امصار اور صحابہ وتابعین کے مسالک کے استقصاء کی وجہ سے یہ کتاب فقہ مقارن کی اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔

سنن الترمذی کی شرحیں:۔

۱:۔ شرح الامام الحافظ ابی بکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی (۵۴۳ھ)

آپ کی شرح کا نام "عارضۃ الاحوذی علی الترمذی" ہے۔ آپ نے رواۃ، سندوں اور

غریب الفاظ پر گفتگو کی ہے، نحو، عقیدہ، احکام وآداب اور حکمت ومصالح کے باریک نکتے بھی درج کئے ہیں فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل اور خصوصاً امام مالک کے مسلک کی خوب عمدہ انداز میں توجیہ کی ہے انداز بیان دلکش اور اسلوب انتہائی فصیح وبلیغ ہے۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہوں سے چھپی ہے۔

۲:۔ شرح الحافظ الامام ابی الفتح محمد بن محمد بن سید الناس الیعمری الشافعی (۷۳۴ھ)

دس جلدوں میں تقریباً دو تہائی سنن کی شرح ہے فنی گفتگو کے علاوہ حشو وزوائد بھی ہے۔ اگر صرف فن حدیث پر اکتفاء کئے ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس شرح کی تکمیل حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی (۸۰۶ھ) نے کی ہے۔

۳:۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی" حافظ جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ)۔

آغاز میں جامع الترمذی کی اہمیت، مرتبہ ومقام اور اس کی اصطلاحات پر عمدہ گفتگو کی ہے۔ یہ ایک مختصر شرح ہے اس شرح میں آپ نے سابقہ شارحین کے اقوال پر اور خصوصاً ابن العربی کی شرح پر کافی اعتماد کیا ہے۔ یہ شرح ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔

۴:۔ شرح الشیخ ابی الحسن عبدالھادی السندی المدنی (۱۱۳۸ھ)۔

انتہائی لطیف، اور مختصر شرح ہے۔ سابقہ شرحوں پر کافی اعتماد کیا ہے۔

جامع الترمذی کے مختصرات:۔

مختصر الجامع نجم الدین الطوفی الحنبلی (۷۱۰ھ) ۲: مختصر الجامع نجم الدین محمد بن عقیل البالسی الشافعی (۷۲۹ھ)

۶: **سنن النسائی** (المجتبیٰ):۔ ابو عبدالرحمٰن بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر النسائی (۳۰۳ھ)

صحاح ستہ میں پانچویں نمبر پر ہے۔ یہ کتاب "السنن الکبریٰ" کی تلخیص ہے۔ مؤلف نے اس کتاب میں ہر اس حدیث کو ذکر کرنے سے احتراز کیا ہے جو آپ کی کتاب "السنن الکبریٰ" میں معلول ومتکلم فیہ سندوں کے ساتھ تھی اور جب اہل حدیث کی حدیث کی تخریج وروایت کی نسبت

امام نسائی کی جانب عمومی انداز سے [illegible] کرتے ہیں تو مراد یہی کتاب "المجتبیٰ" ہوتی ہے۔

حافظ ابوالفضل بن طاہر محدثین کی شرطوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ابوداؤد اور نسائی کی احادیث کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ صحیح احادیث جو صحیحین میں بھی مروی ہیں (۲) وہ صحیح احادیث جو شیخین کی شرطوں پر پوری اتر رہی ہوں اور انہوں نے اس کی روایت نہ کی ہو۔ (۳) وہ احادیث جن کے ضعیف ہونے کا دونوں اماموں کو علم تھا البتہ ان احادیث کو ان دونوں نے اس لئے درج کیا ہے کیونکہ بعض فقہاء نے انہیں اپنا مستدل بنایا تھا۔ اور ساتھ ہی ان احادیث کی علتوں پر روشنی ڈال دی ہے۔

سنن النسائی کی شرحیں:

۱: الزہر الربی علی المجتبیٰ: انتہائی مختصر شرح ہے جس سے شرح کے بجائے حواشی و تعلیقات کا گمان ہوتا ہے۔ اس میں آپ نے راویوں کے ناموں کے ضبط و تعیین، غریب الفاظ کی شرح، حکمت و احکام اور آداب کے بعض نکتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ قدیم شارحین حدیث کے اقوال پر کافی اعتماد کیا ہے۔ خصوصاً ابن حجرؒ پر۔ مختصر ہونے کے باوجود انتہائی مفید اور نسائی کی سب سے عمدہ شرح تصور کی جاتی ہے۔

۲: شرح الشیخ أبی الحسن محمد بن عبدالہادی الحنفی المشہور بالسندی (۱۱۳۸ھ)

علامہ سندی اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: یہ امام نسائی کی سنن پر باریک و لطیف حاشیہ ہے اس میں ان غوامض و مشکل امور کے حل پر اکتفاء کیا گیا ہے جن سے عام قاری یا مدرس دوچار ہوتا ہے جیسے ضبط لغات، اعراب کا بیان غریب الفاظ کی شرح۔

یہ شرح سیوطی کی شرح سے وسیع ہے۔ مؤلف نے اپنی بعض دقیق اور نفیس رایوں کا اظہار کیا ہے۔ نسائی کی یہ دونوں شرحیں ہندوستان اور مصر دونوں جگہوں سے چھپی ہیں۔ مصری نسخہ میں "سنن" سب سے اوپر، اسکے نیچے زہر الربی ہے اور حاشیہ پر سندی کی تعلیقات۔ سن طباعت ۱۳۱۲ھ درج ہے۔

مؤطا مالک بن انس: ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک الاصبحی (۱۷۹ھ)

آپ نے اس کتاب میں صحیح احادیث کو یکجا کیا ہے۔ البتہ صحیح سے مراد محدثین کی

اصطلاح نہیں بلکہ امام مالکؒ نے اپنے نقطۂ نظر سے اس میں صحیح احادیث کو یکجا کیا ہے۔ آپ بعض دیگر فقہاء کی طرح مرسل احادیث اور بلاغت کو صحیح سمجھتے تھے امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"مؤطا میں جو مرسل روایات ہیں وہ امام مالکؒ کے نزدیک بلاشرط حجت ہیں اور بعض فقہاء کے نزدیک اس وقت حجت ہوں گی جب کوئی قرینہ اس کو تقویت بہم پہنچا رہا ہو اور مؤطا کی ہر مرسل روایت کا ایک یا اس سے زائد قرینہ پایا جاتا ہے۔

آپ نے فقہی ترتیب کے لحاظ سے اپنی کتاب تصنیف کی ہے۔ کتاب کا آغاز "اوقات صلوٰۃ" سے کیا ہے پھر وضوء اور غسل پھر احکام نماز پھر زکوٰۃ پھر حج۔ بعض علماء اسے فقہ کی کتاب مانتے ہیں کیونکہ یہ کتاب اجماع اہل مدینہ اور انکے درمیان منتشر احادیث کی روشنی میں عبادات و معاملات کے احکام بیان کرتی ہے نیز اہل مدینہ سے ہٹ کر دیگر فقہاء کے اختلافات کی جانب اشارہ کرتی ہے اور بعض فروعی مسائل میں تو امام مالک نے صرف مجتہدین کی رائیں ذکر کر کے اپنا حکم صادر فرمایا ہے۔

مؤطا کی شرحیں:

(۱) التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید: ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد عبدالبر النمری (۴۶۳ھ)

انتہائی بسیط شرح ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں۔ ابوعمر بن عبداللہ کی کتاب "التمہید" فقہ حدیث پر اس جیسی کتاب ہم جانتے ہی نہیں تو اس سے بہتر کتاب کہاں ہو سکتی ہے یہ کتاب درحقیقت حدیث و فقہ کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ امام مالک کے شیوخ کے لحاظ سے اس کتاب کو آپ نے مرتب کیا ہے حروف تہجی کے لحاظ سے ہر شیخ سے مروی احادیث کی شرح ہے۔ اس کتاب میں آپ نے صرف ان احادیث کی شرح کی ہے جو آپ ﷺ سے متصلاً یا منقطعاً یا موقوفاً یا مرسلاً مروی ہیں۔ آراء و آثار کی شرح آپ نے اپنی دوسری کتاب "الاستذکار" میں کی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں آپ نے تقریباً تیس سال لگائے ہیں۔

۲: الاستذکار لمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من الآراء والآثار، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری (۴۶۳ھ)

ابن عبدالبرؒ نے مؤطا میں آئے ہوئے آثار و آراء کی صرف شرح کی ہے یہ کتاب "التمہید" کا تکملہ و تتمہ ہے۔

اصولی مباحث

فنِ تخریج اور اسکے قواعد

(۳)

ڈاکٹر محمود الطحان
ام القریٰ: مکۃ المکرمۃ

تخریج کے طریقے:

کسی بھی حدیث کی تخریج کے وقت، تو ہم اس کے راوی پر غور کرتے ہیں اگر حدیث کے آغاز میں راوی مذکور ہو یا اس کے موضوع پر غور کرتے ہیں یا الفاظ پر یا اس کے پہلے لفظ پر یا سند یا متن میں موجود مخصوص صفات پر تاکہ ہم تخریج کے آسان تر طریقہ کو اختیار کر کے اس حدیث کی تخریج کر سکیں۔ استقراء سے ثابت ہے کہ تخریج کے پانچ طریقے ہیں۔

(۱) راوی حدیث (صحابی) کی معرفت کے ذریعہ۔

(۲) متن حدیث کے پہلے لفظ کی معرفت کے ذریعہ

(۳) متن حدیث کے کسی نادر یا اہم لفظ کی معرفت کے ذریعہ۔

(۴) حدیث کے موضوع کی معرفت کے ذریعہ۔

(۵) سند حدیث یا متن میں مذکور کسی مخصوص اور اہم صفت کی معرفت کے ذریعہ۔

تخریج حدیث کا پہلا طریقہ:

راوی حدیث (صحابی) کی معرفت کے ذریعہ حدیث کی تخریج: اس طریقہ کو اسوقت اختیار کیا جاتا ہے جب حدیث میں صحابی کا نام مذکور ہو اور اگر مذکور نہ ہو اور نہ ہی اسکی معرفت ممکن ہو تو اس صورت میں اس طریقہ کا اختیار کرنا ممکن نہیں۔ اگر نام مذکور ہو یا ہم نے اس کا پتہ لگا لیا ہو تو ایسی صورت میں درج ذیل تین انواع کی تصانیف کی جانب رجوع کر کے اس حدیث کی تخریج کی جائے گی۔

۱: مسانید ۲: معجم ۳: کتب الاطراف

مسانید کا تعارف:

مسانید حدیث کی وہ کتابیں ہیں۔ جن میں ہر صحابی کی روایات کو علیحدہ اور یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ مسند کی تعداد سو کے لگ بھگ ہیں علامہ کتانی نے "الرسالۃ المستطرفۃ" میں ۸۲ مسانید کا تذکرہ کیا ہے۔ مسند کے اندر صحابہ کے ناموں میں یا تو حروف معجم کے لحاظ سے ترتیب قائم کی جاتی ہے یا سبقت اسلام یا قبائل یا شہروں اور ملکوں کے لحاظ سے۔

کبھی کبھی محدثین کے یہاں مسند کا اطلاق اس کتاب پر بھی ہوتا ہے۔ جو ابواب و حروف پر مرتب ہو اسماء صحابہ پر نہیں کیونکہ اس کی جملہ احادیث مرفوع اور ان کی سند نبی اکرم ﷺ تک موجود ہوتی ہے جیسے مسند بقی بن مخلد الاندلسی (۲۷۶ھ) یہ کتاب فقہی ترتیب کے لحاظ سے مدون ہے۔

مشہور مسانید درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) ۲۔ مسند ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (۲۱۹ھ) ۳۔ مسند ابی داؤد سلیمان بن داؤد الطیالسی (۲۰۴ھ) ۴۔ مسند اسد بن موسیٰ الاموی (۲۱۲ھ) ۵۔ مسند مسدد بن مسرھد الاسدی (۲۲۸ھ) ۶۔ مسند نعیم بن حماد ۷۔ مسند عبید اللہ بن موسیٰ العبسی ۸۔ مسند ابی خیثمہ زہیر بن حرب ۹۔ مسند ابی یعلیٰ احمد بن علی المثنی الموصلی ۱۰۔ مسند عبد بن حمید (۲۴۹ھ)

ان مسانید میں مسند احمد اور مسند الحمیدی زیادہ مشہور ہیں اس لئے ذیل میں ان کا تفصیلی تعارف ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

مسند الحمیدی کا تعارف:

اس کے مولف حافظ ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ہیں یہ مسند ضخیم نہیں ہے۔ کتاب ۱۳۰۰ احادیث پر مشتمل ہے اور اسماء صحابہ کے لحاظ سے مرتب ہے۔ البتہ صحابہ کرامؓ کے ناموں میں حروف ہجاء کی ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ مولف نے کسی اور مسلک و ترتیب کا لحاظ کیا ہے۔

پہلے ابوبکر الصدیق کی مرویات ہیں پھر بقیہ خلفاے راشدین کی پھر طلحہ بن عبید اللہ کو چھوڑ کر شاید ان سے کوئی حدیث مروی نہ ہو بقیہ عشرہ مبشرہ کی رہے بقیہ صحابہ تو مجھے کسی خاص ترتیب کا پتہ نہ چل سکا شاید سبقت اسلام کا لحاظ کیا ہو پھر امہات المومنین اور بقیہ صحابیات اور پھر انصار کے راویوں اور پھر بقیہ صحابہ کی مرویات مذکور ہیں۔

۱۸۰ صحابہ کرامؓ کی روایات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔ یہ کتاب پاکستان سے مجلس علمی نے شائع کی ہے۔ اس کی تحقیق مشہور محدث حبیب الرحمن الاعظمی نے کی ہے۔ آپ کی تعلیقات وحواشی کافی عمدہ ہیں لیکن طباعت میں کافی نقص پایا جاتا ہے۔ آپ نے احادیث کی ترقیم بھی کی ہے۔ اور انہیں ابواب پر مرتب بھی کیا ہے۔ اور اے کاش انہوں نے اسماء صحابہ کو حروف ہجاء کے لحاظ سے مرتب کردیا ہوتا تو کتاب سے استفادہ کافی آسان ہوتا۔ کتاب دو جلدوں میں دو بار ۱۳۸۲ھ ۱۳۸۳ھ میں طبع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں حدیث کے پتہ لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ حدیث کے راوی (صحابی) کا نام تلاش کر کے ان کے مسند میں حدیث کو تلاش کیجئے۔ اگر مل گئی تو ٹھیک ورنہ مؤلف نے اس کی تخریج نہیں کی ہوگی لہذا آپ دوسری کتاب کی جانب رجوع کریں۔

مسند الامام بن حنبل

یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ چالیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے مؤلف امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی ہیں۔ اس میں مرویات کو علیحدہ علیحدہ جمع کردیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ناموں کے درمیان حروف معجم کی ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے بلکہ فضیلت، علاقے اور ان مقامات کے لحاظ سے ترتیب قائم کی گئی ہے جہاں وہ فروکش ہوئے۔

بسا اوقات بعض صحابہ کرام کی مرویات کو ایک سے زائد مقام پر ذکر کیا ہے لہذا کسی بھی صحابی کی جملہ مرویات سے واقفیت کے لئے ہر "جزء" میں تفتیش وتحقیق ضروری ہے۔ "مکتب اسلامی" اور "دار صادر بیروت" نے اسماء صحابہ کی ایک فہرست پہلے جزء کے ساتھ ملحق کردی ہے۔

اس میں اسماء صحابہ حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہیں اور ہر صحابی کے نام کے سامنے جلد اور صفحہ نمبر کا اندراج ہے۔ ان ناشرین کا کہنا ہے کہ یہ فہرست علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی سہولت کے لئے بنائی تھی۔ چنانچہ جو شخص بھی ایسی حدیث کی تخریج کرنا چاہتا ہو جس کے راوی کا نام اسے معلوم ہو اسے پہلے یہ فہرست دیکھنی چاہئے تاکہ جلد نمبر اور صفحہ سے واقف ہوجائے اور پھر اس صحابی کے مسند کی جانب رجوع کرے تاکہ مطلوبہ حدیث مل سکے اور اگر وہ حدیث مسند احمد میں نہ ملے تو پھر اسے کسی دوسرے مصدر میں تلاش کرے۔

یہ مسند ۹۰۴ صحابہ کی مرویات پر مشتمل ہے۔ بعض صحابہ کی مرویات سو سے بھی زائد ہیں جیسے ابوہریرہؓ اور دیگر مکثرین صحابہ اور بعض کی صرف ایک روایت مذکور ہے۔

کتاب کے آغاز میں عشرہ مبشرہ کی مرویات ہیں اور ان میں بھی پہلے خلفاے راشدین ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی، پھر عبدالرحمنؓ بن ابی بکر کی مرویات پھر تین صحابہ کی تین مرویات پھر اہل بیت کی اور آخر میں شداد بن الہادؓ کی مرویات درج ہیں۔

یہ کتاب چھ بڑے اجزاء میں طبع ہوئی ہے اس کے حاشیہ پر علی بن حسام الدین المتقی کی کتاب "منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" بھی مطبوع ہے۔

معاجم:

معاجم معجم کی جمع ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں "معجم اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیثیں صحابہ کرام کی مرویات یا شیوخ یا علاقوں کے لحاظ سے مرتب ہوں۔ اور عموماً اسماء میں حروف معجم کا لحاظ ہوتا ہے یہاں مقصود وہ معاجم ہیں جو صحابہ کرامؓ کی مرویات کے لحاظ سے مرتب ہوں۔

مشہور معاجم: معاجم بہت زیادہ ہیں۔ مشہور معاجم درج ذیل ہیں۔

1: المعجم الکبیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)

یہ کتاب صحابہ کرام کی مرویات کے لحاظ سے مرتب ہے۔ (سوائے ابوہریرہؓ کی مرویات

[illegible] ہے۔ اس کتاب میں ساٹھ ہزار [illegible] بڑی معجم ہے اور جب ''لفظ معجم'' مطلق [illegible] ہے۔

۲۔ المعجم الاوسط: یہ کتاب بھی طبرانی کی تالیف ہے۔ یہ شیوخ کے ناموں کے لحاظ [illegible] تقریباً دو ہزار ہے۔ اس کتاب میں تیس ہزار حدیثیں ہیں۔

۳۔ المعجم الصغیر: یہ کتاب بھی طبرانی ہی کی ہے۔ اس میں ایک ہزار مشائخ کی مرویات ہیں اور عموماً ہر شیخ کی صرف ایک حدیث مروی ہے۔

۴۔ معجم الصحابہ: احمد بن علی لال ہمدانی (۳۹۸ھ)

۵۔ معجم الصحابہ: ابویعلیٰ بن احمد بن علی الموصلی۔ (۳۰۷ھ)

کتب اطراف:

کتب اطراف فن حدیث کی ایک خاص طرز کی کتابیں ہیں اس میں مؤلف حدیث کا صرف ایک جز ذکر کرتے ہیں جو بقیہ متن پر دلالت کرتا ہے اور پھر اس سند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کے توسط سے وہ متن آیا ہے۔ (اسانید کا تذکرہ یا تو بہ تمام استیعاب ہوتا ہے یا مخصوص کتابوں کے پس منظر میں)۔ بعض مصنفین اس متن کے مکمل اسناد کا تذکرہ کرتے ہیں تو بعض صرف شیخ کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ترتیب: عموماً اطراف کے مؤلفین نے انہیں صحابہ کرام کی مرویات کے لحاظ سے حروف تہجی کا لحاظ کرتے ہوئے مرتب کیا ہے۔ اور بعض مؤلفین نے متن کے آغاز کا لحاظ کرتے ہوئے حروف معجم پر انہیں ترتیب دیا ہے اور ایسا کم ہوتا ہے جیسے ابوالفضل بن طاہر نے دارقطنی کی کتاب ''اطراف الغرائب والافراد'' کو متون حدیث کے آغاز کے حروف کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ اس ترتیب پر حافظ محمد بن علی الحسینی نے اپنی ''الکشاف فی معرفۃ الاطراف'' کو بھی مرتب کیا ہے۔

اطراف کا معنی: اطراف، طرف کی جمع ہے۔ طرف حدیث کا مطلب ہے حدیث کے

متن کا وہ جز جو اس کے بقیہ حصہ پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے ہمارا یہ کہنا ''حدیث کلکم راع'' حدیث ''بنی الاسلام علی خمس'' اور حدیث ''الایمان بضع وسبعون شعبۃ''

تعداد: اطراف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور کتابیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اطراف الصحیحین ابومسعود ابراہیم بن محمد الدمشقی۔ (۴۰۱ھ)

۲۔ ,, ,, ابومحمد خلف بن محمد الواسطی (۴۰۱ھ)

۳۔ الاشراف علی معرفۃ الاطراف۔ (سنن اربعہ کے اطراف) حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن (ابن عساکر) (۵۷۱ھ)

۴۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف۔ (کتب ستہ کے اطراف) حافظ ابوالحجاج بن یوسف عبدالرحمن المزی۔ (۷۴۲ھ)

۵۔ اتحاف المہرۃ باطراف العشرۃ۔ حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)

۶۔ اطراف المسانید العشرۃ۔ ابوالعباس احمد بن محمد البوصیری (۸۴۰ھ)

۷۔ ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث۔ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)۔

فوائد:

کتب اطراف کے فوائد درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث کی مختلف سندوں کا یکجا علم اور نتیجۃً اس کے غریب یا عزیز یا مشہور ہونے کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ ان محدثین کی معرفت جنہوں نے احادیث کی بنیادی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے نیز اس باب کا علم جس میں محدثین نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

۳۔ ان کتابوں میں جن کے لئے کتب اطراف کو ترتیب دیا گیا ہے ہر صحابی کی مرویات کی تعداد کا علم۔

نوٹ: کتب اطراف نہ تو پورا متن فراہم کرتی ہیں اور نہ ہی کتب حدیث میں موجود حدیث کے الفاظ بلکہ وہ صرف معنی پر دلالت کرتی ہیں اور محقق اگر پورا متن یا حدیث کے اصل الفاظ چاہتا ہے تو وہ ان مصادر کی جانب رجوع کرے جنکی جانب کتب اطراف نے اشارہ کیا ہے۔ تو گویا یہ کتابیں ان

احادیث کے مقام کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اور یہ ان مسانید کی طرح نہیں ہیں جو آپ کو پورا متن فراہم کر دیتے ہیں اور جو آپ کو کسی دوسرے مصدر کی جانب نہیں لوٹاتے۔

تحفۃ الاشراف لمعرفۃ الاطراف کا تعارف۔

مؤلف: اس کے مؤلف حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (۷۴۲ھ) ہیں۔

سبب تالیف: کتب ستہ اور اس سے متعلق بعض کتابوں کی احادیث کو اس طرح جمع کرنا جس سے قاری کے لئے ان احادیث کے سندوں کو پہچان لینا آسان ہو جائے۔

موضوع: کتب ستہ اور اس کے ملحقات میں موجود احادیث کے اطراف کو ذکر کرنا۔

کتب ستہ سے متعلق کتابیں درج ذیل ہیں: ۱۔ مقدمہ صحیح مسلم ۲۔ کتاب المراسیل ابوداؤد ۳۔ کتاب العلل الصغیر ترمذی ۴۔ کتاب الشمائل ترمذی ۵۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ النسائی

رموز و اشارات: مزی نے کتب ستہ اور اس کے ملحقات کے لئے درج ذیل اشارات کا استعمال کیا ہے۔ خ: بخاری، خت: بخاری تعلیقاً، م: مسلم، د: ابوداؤد، مد: ابوداؤد فی المراسیل، ت: ترمذی، تم: ترمذی فی الشمائل، س: النسائی، سی: النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ۔ ق: ابن ماجہ۔ ز: مؤلف کے اضافہ شدہ گفتگو کی جانب اشارہ۔ ک: مصنف کے ابن عساکر پر استدراک کی جانب اشارہ۔ ع: صحاح ستہ میں مروی حدیث کی جانب اشارہ۔

ترتیب: کتاب حروف معجم کے لحاظ سے ان صحابہ کے ناموں کے تراجم کے لحاظ سے مرتب ہے۔ جنہوں نے ان احادیث کی روایت کی ہے جن پر وہ کتاب مشتمل ہے چنانچہ مؤلف نے اپنی کتاب ان صحابہ کے تراجم سے شروع کی ہے۔ جنکے نام کے آغاز میں حرف ہمزہ آیا ہے دوسرے حرف کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی لیے سب سے پہلا ترجمہ: ''ابیض بن حمال'' کا ہے۔

تحریک حول السنہ

فتنۂ انکارِ حدیث

(آخری قسط)

انیس احمد مدنی

قدیم و جدید منکرین حدیث اور اہل قرآن کے درمیان وجوہ اتفاق و اختلاف:

قدیم و جدید منکرین سنت، متواتر اور عملی احادیث کے قائل تھے۔ نماز کی ہیئت اور اسکی رکعات، مقادیر زکوٰۃ اور حج کے منقول عملی طریقہ کو مانتے تھے۔ لیکن اہل قرآن، عملی احادیث کے بھی منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں: قرآن مجید نے جزئی تفصیلات بہت کم بیان کی ہیں۔ عموماً کلیات کا تذکرہ کیا ہے۔ تو مثلاً قرآن نے نماز کی اقامت کا حکم دیا ہے لیکن اسکی مقدار کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہوتا کہ ہم نماز اس طرح پڑھیں جس طرح مسلمان پڑھتے ہیں تو وہ اس کا تذکرہ کسی ایک آیت میں ہی کر دیتا۔ یوں کہہ دیتا، ظہر، عصر اور عشاء چار رکعت اور فجر دو رکعت اور مغرب تین رکعت پڑھو۔ اس پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں کہ اس سے قرآن کے حجم میں اضافہ ہو جاتا کیونکہ قرآن کریم نے اقامت صلوٰۃ کے حکم کو متعدد بار دہرایا ہے تو ایک یا دو بار اقامت صلوٰۃ کا حکم مکرر نہ لاکر نماز کی جزئیات بیان کر دی جاتیں اور اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ کو بھی قیاس کر لیجئے۔ (دیکھئے: مقام حدیث: ۶۶:۶۵) المنار المجلد التاسع: ۵۱۷)۔

اہل قرآن کہتے ہیں: خلافت راشدہ کے بعد سے مسلمان اسلام کی حقیقی روح کو نہ سمجھ سکے۔ کیونکہ اسلام ایک اجتماعی نظام سے عبارت ہے جو شوریٰ پر قائم ہے۔ قرآن مجید کلی احکام صادر کرتا ہے اور اسکی تفصیلات شوریٰ پر چھوڑتا ہے مجلس شوریٰ ہر زمانے اور وقت کے لحاظ سے نماز کا طریقہ اور زکوٰۃ کی مقدار متعین کرے گی۔ اسلام کا یہی مفہوم ابوبکرؓ و عمرؓ نے سمجھا تھا اسی لئے وہ صحابہ سے مشورہ لیتے تھے۔ جن امور میں انہوں نے اضافہ کی ضرورت محسوس کی اضافہ کر دیا جہاں نہ سمجھی ان سنتوں کو باقی رکھا۔ اور اگر احادیث نبویہ کو دائمی تشریعی حیثیت حاصل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اسے لکھی ہوئی شکل میں امت کو عطا فرماتے۔ (دیکھئے مقام حدیث: ۶۷-۶۸، المنار ۹/۹۰۹)

''رسول کی اطاعت کرو'' کا مطلب یہ نہیں کہ رسول کی وفات کے بعد انکی سنت کی پیروی

کرو کیونکہ سنت رسول اپنے اندر بقاء اور ہمیشگی کا عنصر نہیں رکھتی۔ ''اطیعوا الرسول'' کا مطلب اس نظام کی پیروی کرو جسکی جانب قرآن نے رہنمائی فرمائی ہے اور جس کا عملی نمونہ نبی اکرم ﷺ نے پیش کیا ہے''۔ یعنی نبوت کے طریقہ کا قیام۔ (مقام حدیث: ۶۵)

یہ نظام خلافت راشدہ تک جاری رہا۔ امویوں کے بعد صورتحال بدل گئی، دین و سیاست میں فاصلہ پیدا ہو گیا اور لوگ ''اطاعت رسول'' کا مفہوم نہ سمجھ سکے اس لئے احادیث کی جانب متوجہ ہو گئے کیونکہ قرآن میں احکامی آیات بہت کم تھیں اور ضروریات بڑھتی جا رہی تھیں۔ خلافت کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان فقہی ضروریات کو مشورہ سے طے کر کے پوری کرتی۔ لیکن حکومت کی اپنی اس ذمہ داری کو نہ نبھانے کی وجہ سے لوگ حدیثوں کو لینے پر مجبور ہوئے اور جب احادیث کا یہ مجموعہ بھی کافی نہ ٹھہرا تو حدیثوں کے گھڑنے کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ (مقام حدیث: ۶۸-۷۰)

اہل قرآن کے بعض مخصوص دلائل:

(۱) احادیث کا دوسری اور تیسری صدیوں میں بے تحاشہ بڑھ جانا۔

احادیث پہلی صدی میں کافی کم تھیں یہاں تک کہ ابو ہریرہؓ کے شاگرد ۱۳۸ سے زائد حدیثیں نہ ملیں تو آخر بعد میں لاکھوں تک کہاں سے جا پہنچیں۔ (دراسات فی الحدیث النبوی ص: ۳۶)

حقیقت یہ ہیکہ ہر محدث جیسے علامہ زہری، ثوری، شعبہ وغیرہ ایک ہی متن کو سو سو شیوخ سے لکھتے تھے۔ زہری سے کم از کم پچاس شاگردوں نے حدیثیں لکھی ہیں تو اگر ہر شاگرد نے زہری سے پانچ سو حدیث لکھی ہوں تو یہ پانچ سو احادیث پچیس ہزار احادیث ایک ہی نسل میں ہو جائیں گی۔ اور اگر پھر ان میں سے ہر ایک کے صرف تین شاگرد ہوں تو آنے والی نسل میں ۷۵ ہزار ہو جائیں گی۔ اس طرح احادیث کی تعداد ہر نسل میں بڑھتی تھی۔ کیونکہ محدثین ایک متن کو ایک حدیث نہیں شمار کرتے ہیں بلکہ ایک متن جتنے طرق سے مروی ہوتا وہ اتنی ہی احادیث شمار ہوگا۔ اسی لئے شاگردوں کا دائرہ جتنا بڑھتا جاتا تھا حدیثیں اتنی ہی زیادہ ہوتی جاتی تھیں یہانتک کہ امام احمدؒ کہتے ہیں سات لاکھ سے کچھ زائد احادیث صحیح ہیں اور اس نوجوان یعنی ابوزرعہؒ کو چھ لاکھ احادیث یاد ہیں۔ (المدخل/۱۳)

محدثین ہر سند کو ایک حدیث شمار کرتے تھے چنانچہ اگر کوئی حدیث تین طرق سے مروی ہوتی تو وہ تین حدیث ہو جاتی ہے۔ احادیث کو گننے کا یہ طریقہ جدید نہیں بلکہ قدیم ہے۔ احمد بن سنان کہتے ہیں! ''میں نے عبدالرحمن بن مہدی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ''مسح علی الخفین''

کے باب میں مغیرہ کے واسطہ سے تیرہ حدیثیں ہیں۔'' (الرازی: تقدمۃ الجرح ۱/۲۶۱)

ظاہر ہے نبی اکرم ﷺ نے بارہا مسح کیا ہوگا لیکن مغیرہؓ نے جس عمل کی روایت کی ہے وہ آپ کا ایک ہی فعل ہے خواہ کتنی ہی بار کیوں نہ عمل میں آیا ہو۔ اس پہلو سے وہ ایک ہی حدیث ہے۔ لیکن یہی ایک حدیث ابن مہدی کے پاس تیرہ سندوں سے پہونچی اور تیرہ حدیث بن گئی۔

ابتدائی تین صدیوں میں محدثین حدیثوں کو متعدد سندوں سے لکھتے تھے۔ ابراہیم بن سعید الجوہری کہتے ہیں! ہر حدیث اگر میرے پاس سو طرق سے نہ ہو تو میں اس حدیث کے سلسلے میں یتیم ہوں'' (السنۃ و مکانتھا، السباعی: ۳۲۳)۔

ابن معین کہتے ہیں! ''اگر ہم حدیث کو تیس طرق سے نہ لکھیں تو اسکو نہ سمجھ پائیں'' (المدخل/۹)

ان بیانات کی روشنی میں چھ لاکھ احادیث کی حقیقی تعداد کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر نسل میں طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے احادیث بڑھتی جاتی تھیں۔ نیز محدثین آثار صحابہ اور اقوال تابعین پر بھی ''حدیث'' کا اطلاق کرتے تھے۔ (دیکھئے تدریب الراوی: ۴۳)

(۲) وحی کی دو قسمیں: متلو اور غیر متلو بتلانا یہودی نقطۂ نظر ہے جو ان سے اختلاط کے نتیجے میں اہل اسلام میں بھی سرایت کر گیا ہے۔

اگر وحی کی یہ دو قسمیں ہوتیں تو قرآن اس کا تذکرہ ضرور کرتا۔ اس شبہے کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں! ''قرآن مجید سہ رنگی وحی کا ذکر کرتا ہے جس میں سے صرف ایک رنگ کی وحی قرآن میں جمع کی گئی ہیں۔ سورۃ الشوریٰ ''۵۱ میں ہے: کسی بشر کے لئے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے گفتگو کرے مگر وحی کے طریقہ پر (القاء و الہام) یا پردے کے پیچھے سے یا اس طرح کہ ایک پیغامبر بھیجے اور وہ اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہتا ہو وہ برتر اور حکیم ہے۔

قرآن مجید میں جو وحیاں جمع کی گئیں وہ ان میں سے صرف تیسری قسم کی ہیں جسکی تصریح خود قرآن نے کردی ہے۔ سورۃ الشعراء میں ہے: ''اور یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے: سے لے کر روح الامین اترا ہے تیرے قلب پر تاکہ تو متنبہ کرنے والوں میں سے ہو۔ (۱۹۳-۱۹۴)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف ایک قسم کی وحیوں پر مشتمل ہے رسول کو ہدایات ملنے کی باقی دو صورتیں جن کا ذکر سورۃ شوریٰ والی آیت میں کیا گیا ہے وہ اسکے علاوہ ہیں۔ اب خود قرآن ہی ہمیں بتاتا ہے کہ ان صورتوں سے نبی ﷺ کو ہدایات ملتی تھیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

(۱) سورۃ البقرہ کی آیات ۱۴۳-۱۴۴ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے قبلہ بنائے جانے سے پہلے نبی ﷺ اور مسلمان کسی اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی توثیق فرمائی کہ وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رخ کیا جاتا تھا وہ بھی ہمارا ہی مقرر کیا ہوا تھا۔ لیکن قرآن میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اس قبلے کی طرف رخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی تو وہ حکم حضور ﷺ کو کس ذریعہ سے ملا؟ کیا اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ حضور ﷺ کو ایسے احکام بھی ملتے تھے جو قرآن میں نہیں ہیں۔

(۲) نبی ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک بیوی کو راز میں ایک بات بتاتے ہیں وہ اس کا ذکر دوسروں سے کردیتی ہیں۔ حضور ﷺ اس پر باز پرس کرتے ہیں تو وہ پوچھتی ہیں کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ میں نے یہ بات دوسروں سے کہہ دی ہے؟ حضور ﷺ جواب دیتے ہیں کہ مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔ (سورۃ التحریم:۳) کیا قرآن میں وہ آیت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ اطلاع دی تھی کہ تمہاری بیوی نے تمہاری راز کی بات دوسروں سے کہہ دی ہے؟ اگر نہیں ہے تو ثابت ہوا یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ بھی نبی اکرم ﷺ کے پاس پیغامات بھیجتے تھے؟

(۳) نبی ﷺ بنی نضیر کی مسلسل بدعہدیوں سے تنگ آکر مدینہ سے متصل ان کی بستیوں پر چڑھائی کر دیتے ہیں اور دوران محاصرہ اسلامی فوج گردوپیش کے باغات کے بہت سے درخت کاٹ ڈالتی ہے تاکہ حملہ کرنے کے لئے راستہ صاف ہو۔ اس پر مخالفین شور مچاتے ہیں کہ باغوں کو اجاڑ کر اور ہرے بھرے ثمر دار درختوں کو کاٹ کر مسلمانوں نے فساد فی الارض برپا کیا ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! ''کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے اور کھڑے رہنے دیئے۔ یہ دونوں کام اللہ کی اجازت سے تھے۔ (الحشر:۵)

کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ اجازت قرآن مجید میں کس آیت میں نازل ہوئی تھی۔ (دیکھئے سنت کی آئینی حیثیت: ۱۱۹-۱۲۵)

ان کے علاوہ متعدد اور مثالیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی دونوں ہی قسمیں نازل کی ہیں تو رسول کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ ان دونوں قسم کی وحیوں کو امت تک پہنچا دیں۔ کیونکہ خدا کا حکم ہے! ''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک'' (المائدۃ:۶۷)

''اے رسول اپنی جانب آپ کے رب کی جانب سے کی گئی وحی کو بندوں تک پہنچا دیں۔ اور نبی اکرم ﷺ نے امت تک ان دونوں وحیوں کو پہنچا دیا اور امانت کو بحسن وخوبی امت تک منتقل کر دیا اب ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم آپ کی پیروی کریں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو قبول فرمائیں اور جن امور سے آپؐ نے روکا ہے اس سے اجتناب کریں۔

''مرکز ملت'' پر چند سوالات:

اہل قرآن کا یہ کہنا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد قرآنی احکام کی تشریح وتعبیر کا حق ''اسلامی نظام حکومت'' کو منتقل ہوگیا جسے وہ ''مرکز ملت اسلامیہ سے'' تعبیر کرتے ہیں۔ اس پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۱) کیا قرآن مجید میں یہ بات کہی گئی ہے؟ یا رسول ﷺ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (منکرین کوئی موضوع حدیث بھی پیش نہیں کرسکتے یا خلفاء راشدین نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ ہم کو یہ حیثیت حاصل ہے؟ یا عہد رسالت سے لے کر آج تک علماء امت میں سے کسی قابل ذکر آدمی کا یہ مسلک رہا ہے؟ کیا چودہ سو سال تک پوری امت غلطی کرتی رہی یا نبی اکرم ﷺ اتنے اہم معاملہ کی توضیح نہ کرکے (جو معاملہ مرتبہ ومقام کے لحاظ سے کلمہ شہادت سے کم نہیں) تبلیغ ورسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کا شکار ہوئے ہیں۔

پھر کیا قرآن مجید نے اتنے اہم معاملہ کی وضاحت نہ فرما کر کوتاہی نہیں کی ہے؟ تو کیا پھر قرآن واجب الاتباع رہ جاتا ہے (نعوذ باللہ) جب وہ اسقدر ناقص ہو۔

ایک دوسرے پہلو سے غور کیجئے تو بنی امیہ کے بعد سے آج تک ساری دنیائے اسلام کبھی ایک دن کے لئے بھی ایک حکومت میں جمع نہیں ہوئی ہے اور آج بھی مسلم ممالک میں بہت سی حکومتیں قائم ہیں، اب کیا انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، ایران، ترکی، عرب، مصر، لیبیا، تونس اور مراکش میں سے ہر ایک کے مرکز ملت الگ الگ ہوں گے۔ اور اگر الگ الگ ہوں گے تو کیا احکام کی تعبیر وتشریح مختلف رائیں سامنے نہیں آئیں گی؟ اور کیا ایسا نہیں ہوگا کہ ایک ملک کا مرکز ملت کسی چیز کو حرام قرار دے اور دوسرا اسے حلال ثابت کرے؟ یا اسلام وقرآن پر عمل اس وقت تک معطل رہے گا جب تک پوری دنیائے اسلام متفق ہوکر ایک مرکز ملت کے تحت نہ آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ منکرین حدیث کے بقول محدثین کی یہ عظیم اور مخلصانہ کوششیں اگر اسلام کی شفافیت کے خاتمے کے لئے عجمی سازش ہے (درانحالیکہ یہ ظن وگمان پر مبنی ایک تخیلی رائے ہے)۔ تو اہل قرآن کا یہ مشن حقیقۃ قرآن کے نام پر خود قرآن کے خاتمہ کی حقیقی عجمی سازش ہے۔

مذاہب عالم

توریت کا تعارف (۲)

ابوارقم فلاحی

توریت سے ملحق صحائف:

توریت سے ملحق صحائف کی تین قسمیں ہیں:

۱: تاریخی صحائف ۲: ادبی کتابیں ۳: انبیاء کے صحیفے

تاریخی صحیفے:

یہ صحیفے کنعانیوں کے زمین پر بنی اسرائیل کے قبضے کے بعد کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ان میں کنعانیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان ہوئی جنگوں، بنی اسرائیل کے قاضیوں، بادشاہوں اور اہم حادثات و وقائع کی تفصیلات ہیں۔

یہ کل ۱۲ صحیفے ہیں۔

۱: یوشع بن نون کا صحیفہ: یہ صحیفہ یوشع بن نون کی جانب منسوب ہے جن کا اصلی نام "ہوشع" تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا نام "یسوع" رکھ دیا۔ (سفر العدد ۱۳/۱۶) آپ موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے۔ آپ کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا جانشین منتخب کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ نے فوجیوں کی قیادت سنبھالی اور فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس صحیفے میں ان جنگوں کی تفصیلات جابجا مذکور ہیں۔ ان جنگوں کے دوران آپکے ہاتھوں بعض عظیم معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ جیسے سورج کا ٹھہر جانا۔ اس معجزے کی تصدیق احادیث نبویہ سے بھی ہوتی ہے۔ (دیکھئے فیض القدیر، ۵:۴۴)

فلسطینی علاقوں کی فتح کے بعد آپ نے اسرائیلی قبائل کو الگ الگ علاقے عطا فرمائے۔ آپ کا مدفن جبل افرایم ہے۔

بعض محققین کے نزدیک اس صحیفے کے کاتب آپ ہی ہیں سوائے آخری ان پانچ آیات کے جو آپکی وفات اور تدفین سے متعلق ہیں جبکہ بعض دیگر مسیحی علماء اس صحیفے کا کاتب "الیعازر بن ہارون" کو مانتے ہیں لیکن یہ رائے بھی درست نہیں ہے کیونکہ آپکی وفات کا تذکرہ بھی آخری آیت میں موجود ہے۔ (یشوع ۲۴/۳۳)

۲: قضاۃ: یوشع بن نون سے صموئیل نبی تک کے بنی اسرائیل کے شیوخ "قضاۃ" کہلاتے ہیں۔ یہ سفر انہیں قاضیوں کے احوال پر مشتمل ہے۔ ہر قاضی کی مدت، علم اور فیصلے میں انکی رشوت خوری وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔

یہودی علماء کے نزدیک اس صحیفے کے کاتب صموئیل نبی ہیں۔ قاضیوں کی مدت پر بھی یہود کا اتفاق نہیں ہے۔ سفر القضاۃ میں انکی مدت تقریباً ساڑھے چار سو سال بتائی گئی ہے درانحالیکہ تاریخی لحاظ سے ان کا زمانہ ۱۱۳۰ ق م سے لے کر ۱۰۲۰ تک ہے۔ یہ صحیفہ عہد ملوکیت میں تحریر کیا گیا ہے۔

اس صحیفے میں سب سے اہم بات یہ درج ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کی شریعت سے دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان پر انکے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر بنی اسرائیل کی مخلصانہ توبہ اور گریہ وزاری کے بعد اللہ تعالی نے ان قاضیوں کے ذریعہ انکے دشمنوں سے نجات دلائی۔

راعوت کا صحیفہ: راعوت موآبی لفظ ہے جسکے معنی خوبصورت کے آتے ہیں۔ یہ ایک موآبی عورت تھی جس نے اپنے والدین اور علاقے کو چھوڑ کر فلسطین کی جانب ہجرت کی اور وہیں آباد ہو گئی اور پھر قبیلۂ یہودا کے ایک فرد "بوعز" سے شادی کر لی۔ جنکی نسل سے داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس صحیفے کے کاتب کے بارے میں محققین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اس کا کاتب صموئیل کو بعض حزقیال علیہ السلام اور بعض عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں۔

۴-۵ صموئیل کے صحیفے، ۶-۷ (سلاطین):

صموئیل عبرانی لفظ ہے جسکے معنی "اسم الٰہی" کے آتے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عبرانیوں کے پہلے نبی اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے۔ یہودی ادب میں آپ کا ذکر انتہائی بلند ہے کیونکہ آپ ہی نے فلسطینیوں سے یہودیوں کو نجات دلائی اور تابوت کو واپس لے لیا۔ آخری عمر میں بنی اسرائیل کے مطالبے پر آپ نے اللہ تعالی کے حکم سے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا۔ (جسے صموئیل کے صحیفے میں "شاؤل" کہا گیا ہے۔ طالوت اور فلسطینیوں کے سردار جالوت کے درمیان وہ خوں ریز معرکہ ہوا جسمیں داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور اس طرح یروشلم پر پہلی بار بنی اسرائیل کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔ طالوت کے انتقال کے بعد آپ کے داماد داؤد علیہ السلام بادشاہ مقرر ہوئے آپ کے بعد سلیمان علیہ السلام [illegible] آپ کے انتقال کے بعد یہودی مملکت دو حصوں میں [illegible] جسکی وجہ سے

مشہور فرعونی بادشاہ "شیشق اول" نے یروشلم پر حملہ کر کے اسکے جملہ خزانے لوٹ لیے۔

ان صحیفوں میں سلیمان علیہ السلام کے فیصلوں اور آپ کی حسن سیاست اور حسن تدبیر اور آپ کے محلات وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ جو مبالغہ سے پر ہے۔ اسی لیے بعض مغربی مفکرین نے ان پر سخت تنقید کی ہے۔

صموئیل کا صحیفہ پہلے ایک ہی صحیفہ تھا جیسا کہ عبرانی مخطوطہ سے واضح ہے پھر یونانی ترجمہ "سبعینیہ" کی طباعت جب بندقیہ میں ۱۵۱۶-۱۵۱۷ء میں ہوئی تو اس کے دو حصے کر دیے گئے۔ سلاطین اول وثانی میں پہلے بادشاہ سے مراد شاؤل اور دوسرے سے داؤد علیہ السلام مراد ہیں۔

۸-۹ تواریخ اول۔ تواریخ ثانی:

یہ دونوں سفر صموئیل کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ ان میں درج ذیل چار امور پر بحث کی گئی ہے۔

۱: آدم علیہ السلام اور آپ کی ذریت ۲: شاؤل کا انتقال اور داؤد علیہ السلام کی حکمرانی

۳: عہد سلیمان ۴: سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد مملکت بنی اسرائیل کی تقسیم

۱۰: سفر عزرا: عزرا عبرانی لفظ ہے جسکے معنی "مدد" کے آتے ہیں۔ عزرا بابلی قید کے ایام میں ایرانی شہنشاہ کے مشیر خاص تھے۔ آپ نے فلسطین میں یہودیوں کی دوبارہ واپسی اور ہیکل کی از سر نو تعمیر کی اجازت حاصل کر کے یہ دونوں کام ۴۵۸ ق م اور ۳۹۸ ق م کے درمیان انجام دیے جسکی بنا پر بنی اسرائیل کے یہاں آپ کو انتہائی بلند مقام حاصل ہے حتیٰ کہ بعض یہودی آپ کو "خدا کے بیٹے" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۱: نحمیا: آپ ابن غربوق کے لڑکے تھے۔ آپ عزرا کے معاون ومددگار تھے۔ یہ صحیفہ پہلے عزرا کا ایک جز تھا۔

۱۲: استیر کا صحیفہ: استیر ایک خوبصورت یہودی عورت تھی جسے ایرانی شہنشاہ نے اپنے حرم میں داخل کرلیا تھا۔ ان ایام میں ایرانی مملکت میں "ہامان" وزیر تھا جس کے تعلقات استیر کے چچازاد بھائی "مردخائی" سے خراب ہو گئے تو اس نے یہودیوں کے خاتمہ کا فیصلہ کر لیا اور آذار کے مہینے کے تیرہویں دن اس نے ایرانی شہنشاہ سے یہودیوں کو برباد کرنے کا فیصلہ بھی صادر کرالیا۔

ان نازک حالات میں استیر نے بادشاہ کے کان بھرے اور جھوٹ دلائل سے بادشاہ کو یہ باور کرایا کہ آپ کا وزیر آپ کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ جس پر بادشاہ نے ھامان اور اس کے ہمدردوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ھامان سمیت ستر ہزار ایرانی قتل کیے گئے اور اتفاق سے یہ کارروائی اس دن انجام کو پہونچی جو یہودیوں کی بربادی کے لئے متعین تھا۔ اسی خوشی میں یہودی آذار کے چودہویں دن عید مناتے ہیں۔

جامعہ کے لیل ونہار

ادارہ

نئے تعلیمی سال کا آغاز:

الحمدللہ ۶ رشوال مطابق یکم دسمبر کو جامعہ کھل گیا۔ اور ایک تا ۹ دسمبر ضمنی امتحانات اور ٹسٹ وداخلے کی جملہ کارروائیاں بحسن وخوبی اختتام تک پہونچ گئیں۔ اور اعلان کے مطابق دس دسمبر سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو گیا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ جملہ اساتذہ کرام کو اپنے تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دینے اور ذمہ داروں کو طلبہ کی تعلیم وتربیت کا بہتر سے بہتر نظم کرنے کی توفیق بخشے۔

نئے داخلے:

دفتر اہتمام سے موصول شدہ خبر کے مطابق امسال شعبہ اعلیٰ طلبہ میں ۱۱۳ ثانوی میں ۴۲ اور ابتدائی میں ۱۶۰ داخلے ہوئے ہیں اور شعبہ نسواں میں کل ۲۰۰ دوسو سے زائد داخلے ہوئے ہیں۔

تعزیتی نشست:

۹ دسمبر کو سابق رکن انتظامیہ جناب محترم منشی فوجدار صاحب کے انتقال کی خبر جامعہ میں بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی۔ اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ ۱۰ دسمبر کو بعد نماز عصر جامعہ میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد ہوا۔ مہتمم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب اور دیگر ذمہ داروں نے موصوف کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا۔ ہر ایک نے جامعہ کے فروغ واستحکام اور اس کے لئے زمینوں کی فراہمی میں آپ کے زبردست رول کی تعریف فرمائی۔ آپ جامعہ کے بعض اہم مناصب پر بھی فائز رہے ہیں۔ اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اعلی علیین میں جگہ دے اور جامعہ کو مرحوم جیسے مخلصین عطا فرمائے کہ جن کی کوششوں سے ہی آج جامعہ نے ترقی کے ان منازل کو پالیا ہے جن کے چرچے ہندوستان سے نکل کر عالمی سطح پر ہو رہے ہیں۔

نیپالی زبان میں ترجمۂ قرآن کریم:

یہ خبر حاملان قرآن کے لئے انتہائی مسرت بخش ہوگی کہ عزیزم علاؤالدین فلاحی اپنے رفقاء کے ساتھ قرآن مجید کا نیپالی ترجمہ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نیپالی زبان میں قرآن مجید کا ایک ترجمہ قادیانیوں کے جانب سے منظر عام پر آیا تھا جس سے کافی غلط فہمیاں پھیل رہی تھیں۔ امید ہے اس ترجمے سے پھیلی ہوئی گمراہیوں کا ازالہ اور سرزمین نیپال میں دعوت دین کو فروغ حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

اظہار تعزیت:

یہ اطلاع جملہ فلاحی برادران کے لئے باعث رنج وغم ہوگی کہ عزیزم علاؤالدین فلاحی کے والد محترم اور محترمہ جمیلہ فلاحیہ کے خسر، جناب الحاج عبدالحمید صاحب ۵رشوال ۱۴۲۳ھ بمطابق ۳۰ رنومبر ۲۰۰۲ء کو بروز اتوار صبح چار بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ حیات نو موصوف کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اعلان عام:

ارکان انجمن طالبات قدیم کو تیسرے سہ روزہ اجلاس عام کی اطلاع بذریعہ مینار فلاح نیز حیات نو کے گذشتہ شمارے میں دی جا چکی ہے اور اب الحمد للہ اجلاس کے انعقاد کے لئے ۲۴ر ۲۶/۲۵ رفروری ۲۰۰۳ء کی تاریخوں کا تعین بھی کر لیا گیا ہے۔ اس موقع پر تمام فارغات جامعہ سے ایک بار پھر گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے تبدیل شدہ ایڈریس بہت جلد دفتر انجمن طالبات قدیم کے پتے پر ارسال کرنے کی زحمت کریں۔ تاکہ اجلاس سے متعلق ضروری تفصیلات ان کو بروقت اور صحیح پتے پر ارسال کی جا سکیں۔ مزید یہ کہ اجلاس کو بہتر اور کامیاب بنانے کے لئے اپنی تجاویز و مشوروں سے بھی نوازیں۔ نیز ہمیں اور اپنی مادر علمی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ساجدہ فلاحی